ملت کا حافظ

حضرت علامہ عبد العزیز

بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کے مبارک حالات زندگی

جمع و ترتیب:

محققۂ اہلسنت

مشیرۂ

محمد صدیق حسین قادری

انتساب

اس ہستی کے نام جس کے مبارک تذکرہ نے ان صفحات کو زینت بخشی

یعنی تلمیذ صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ

حافظِ ملّت

عاشقِ ماہِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

پابند شریعت، شہر یار علم وحکمت، یادگارِ اعلیٰ حضرت

حضور سیدی عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

بانی جامعہ اشرفیہ مبارک پور انڈیا

اپنے تو اپنے ہیں بیگانوں کے دل سے پوچھئے — حافظِ ملّت کی وقعت' عزت' عبدالعزیز
کہہ رہی ہے ان کو ان کے قلب کی سچی تڑپ — یادگارِ اعلیٰ حضرت' حضرت' عبدالعزیز

کنیزِ درِ مرشد

ہمشیرہ محمد صدیق احمد قادری

۱۲ شعبان المعظم ۱۴۲۳ھ

آپ دینِ ملت کے مُحافظ 'حافظ ملّت' کیوں؟

ملت کے حافظ جس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ ملت کی حفاظت میں گذرا اور آپ کی شخصیت بابرکت نے ملت کی حفاظت فرمائی۔ تقریر سے، تحریر سے، تدریس سے، بذریعہ علم اور عمل سے، مناظروں کے ذریعے، احقاق حق اور ابطال باطل سے اپنی زندگی کو اُسوۂ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ڈھال کر' اپنی درسگاہ علم و ادب سے **جلیل القدر** علماء و اساتذہ، خطباء اصحاب **قلم** مناظرین، متکلمین، محدثین اور اصحابِ اُفتاء پر مشتمل ایک خدائی گروہ بنا کر' خانقاہ میں بیٹھ کر' جامعہ اشرفیہ کیلئے زندگی وقف فرما کر' اسٹیج پر رونق افروز ہو کر' اپنی درسگاہ علم وادب میں پڑھنے والے کو اپنی فیض نگاہ سے منور فرما کر اس منزل تک پہنچا کر۔

المختصر......ملت کے حافظ نے مِلّت کی خوب حفاظت فرمائی۔

آپ کی شخصیت

حافظ ملت کی ذات باصفات ایسے ہی دیدہ ور کی مثال تھی جو ہزاروں سال بعد اس دُنیا میں آئی ہے۔ انہوں نے اسی لگن اور تڑپ سے لوگوں کے دلوں میں ایک نیا عزم پیدا کیا اپنی سعی و کوشش سے مبارک پور جیسے معمولی قصبہ کو ایک علمی مرکز بنا دیا۔ اہل مبارک پوران کو جتنا یاد کریں آپ کی جتنی توقیر و تعظیم کریں کم ہے۔

مشاہیرین عالم کی طویل فہرست میں ہزاروں نام ایسے موجود ہیں جو اپنے آباؤ اجداد کی عزت وشہرت کے بل بوتے پر عزت وتوقیر کے بادشاہ بن کر اُفق ہستی پر نمودار ہوئے اور دنیائے علم میں ان کی عظمت کا ڈنکہ بج گیا۔

مگر ان عظیم المرتبت ہستیوں کی تعداد بہت ہی مختصر ہے۔ جنہوں نے بالکل ہی گوشۂ گمنامی میں جنم لیا اور ان کے آباؤ اجداد اور خاندان میں کسی کا وجود ایسا نہ تھا جن کی عزت وشہرت کا ڈنکا' گھر کی چاردیواری سے باہر بجا ہو۔

مگر آپ اپنی فطری صلاحیتوں اور ذاتی کاوشوں کی بدولت فضل وکمال کی منزلِ اعلیٰ پر جا پہنچے۔

بلاشبہ دونوں گروہ باکمال کی فہرست میں اعلیٰ درجات کے حامل ہیں مگر ظاہر اوّل الذکر گروہ کے فضل وکمال کا دورا مدار ان کے جدِّ امجد کی میراث پر ہے اور آخر الذکر کے فضل وکمال کی بنیاد فطری صلاحیتوں اور ذاتی کاوشوں کی مرہونِ منت ہے اور جس طرح میراث کے مال اور ذاتی کسب میں نمایاں فرق ہوتا ہے بالکل اسی طرح میراثی کمال اور ذاتی کمال میں بہت زیادہ فرق ہوتا ہے۔

اک خاص خصوصیت

حضور حافظِ ملت علیہ الرحمۃ کا فضل وکمال میراثی نہیں بلکہ خالصتاً ذاتی فضل وکمال ہے۔ جس کو آپ نے اپنی شبانہ روز جدو جہد اور دماغ سوز محنت اور اپنے قوتِ بازو کے بل پر حاصل کیا اور یہ حافظِ ملت کی وہ خاص خصوصیت اعلیٰ ہے جو آپ کو ان کے ہم عصر مشاہرین سے اس طرح ممتاز کرتی ہے جس طرح چاند سورج کی روشنی ایک دوسرے سے ممتاز ہے کہ چاند دنیا میں سورج کی بخشی ہوئی روشنی کے بل پر چمک رہا ہے اور سورج خود اپنی روشنی سے عالم کو منور کر رہا ہے۔

ولادت با سعادت

حضور حافظِ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ضلع مراد آباد کے ایک بہت گمنام قصبہ بھوجپور میں زمینداروں کے ظالم نظام سے کچلی ہوئی مظلوم قوم میں مومن برادری کے ایک غریب مگر دیندار گھرانے میں جنم لیا۔

آپ کے والد ماجد حافظ نور محمد صاحب بہت ہی سادہ لوح، حافظ قرآن بزرگ تھے۔ آپ کا لباس نہایت معمولی اور رہائش خام مکان میں تھی اور کھدر کی بُنائی ان کا ذریعۂ معاش تھی۔

ان کے آباؤ اجداد میں نہ کوئی پیر تھا' نہ کوئی پیرزادہ' نہ کوئی مالدار تھا' نہ کوئی رئیس زادہ، مگر دینداری، عبادت گزاری' جو مومن برادری کے اس خاندان میں تھی وہ اپنی مثال آپ تھی۔

تاریخ ولادت

آپ کا سن پیدائش ۱۸۹۴ء - ۱۳۱۲ھ ہے۔ حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ کی ولادت دوشنبہ کو ہوئی۔ پڑوس کی عورت یہ کہتی آئی کہ پیرا آیا ہے۔ اس وقت آپ کے دادا حضور بیمار تھے اور صاحبِ فراش تھے۔ انہوں نے اس عورت کو ڈانٹا اور فرمایا خبردار اس کا نام عبدالعزیز ہے۔ میں نے اس کا نام عبدالعزیز اسلئے رکھا ہے کہ دہلی میں خاتم المحد ثین حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث بہت بلند پایہ عالم گزرے ہیں۔ آپ کے دادا حضور فرمایا کرتے تھے میرا یہ بچہ عالم بنے گا۔

عہد طفلیت

حضور حافظِ ملت علیہ الرحمۃ اپنے عہد طفلیت کے بارے میں خود ارشاد فرماتے ہیں کہ بھوجپور میں کوئی بڑے عالم یا شیخ یا درویش تشریف لاتے تو والد صاحب مجھے ان کے پاس لیجاتے اور عرض کرتے حضور میرے اس بچے کیلئے دعا فرمادیجئے وہ دعا کردیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت مولانا شاہ سلامت صاحب قبلہ رام پوری علیہ الرحمۃ تشریف لائے' ان کے پاس لے گئے۔ عرض کیا، میرے اس بچے کیلئے دعا فرمادیں۔ حضرت مولانا سلامت اللہ صاحب نے فرمایا، حافظ صاحب میں تو اس کیلئے دعا کرتا ہوں مگر اس کیلئے تو آپ ہی کی دعا ہے اور فرمایا، اولاد کے حق میں والدین کی دعا یا بددعا نبی کی دعا یا بددعا کا اثر رکھتی ہے۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میری بہنیں نہیں تھیں اور میں والد صاحب کا اکیلا بیٹا تھا، اسلئے بھی مجھ پر زیادہ شفقت فرماتے، باہر جاتے تھے تو مجھے ساتھ لے جاتے، اکثر جمعہ پڑھنے شہر مراد آباد مجھے لے جاتے۔ صحت میری بچپن ہی سے اچھی تھی۔ میں پیدل ان کیساتھ جاتا لیکن مراد آباد کے قریب ہی رام گنگا ندی ہے، اس کو پار کرتے مجھے کندھے پر بٹھاتے، میرے پیر پانی میں ڈوبے رہتے اور والد صاحب کی داڑھی پانی سے لگتی رہتی تھی۔

بسم اللہ مجرھا و مرسٰہا ان ربی لغفور رحیم پڑھتے جاتے، پانی نیچے ہی رہتا تھا، کبھی داڑھی سے اوپر نہیں آیا۔ جامع مسجد مراد آباد میں مولوی قاسم صاحب کا وعظ سنتے' اس کے بعد واپس آتے تھے۔

بڑے پیار و محبت سے مجھے پالا اور پڑھایا۔ سات پارے حفظ کرائے اس کے بعد حج بیت اللہ کو گئے اور راجپور میں کوئی بھی پڑھانے والا نہیں تھا، جو پڑھا تھا وہ بھی بھول گیا واپسی میں والد صاحب نے پھر پڑھانا شروع کردیا، میں پڑھتا بھی تھا' گھر کا کام بھی کرتا تھا۔ والد صاحب قبلہ تربیت کا تعلیم سے زیادہ خیال رکھتے تھے، بچپن کی شرارتوں پر بہت زیادہ مارتے تھے۔

تربیت والدین کی اہمیت

کسی گھر کا مذہبی رُجحان گھر کے مالک ہی کی ذہنیت پر موقوف ہوتا ہے، ان کے والد صاحب ایک درویش صفت آدمی تھے، ان پر دین غالب تھا۔ والدہ محترمہ صوم وصلوٰۃ کی انتہائی پابند، سات سال سے ہی بچوں کو نماز کی تاکید کرنا، نمازی مہمان کی خوب تواضع فرماتے اور بے نمازی کو کھانا کھلا دیتے لیکن ٹھہراتے نہ تھے۔

حضور حافظِ ملت قدس سرہٗ اپنی اوائل عمر کے بارے میں خود فرماتے ہیں کہ میری عمر بارہ یا تیرہ سال تھی' والد صاحب فجر کی نماز کیلئے جاتے تو مجھے جگاتے، اُٹھو نماز کا وقت ہوگیا، میں اُٹھ کر ان کے پیچھے پیچھے چلا جاتا اور کبھی غلبہٗ نیند سے کروٹ بدل کر سو جاتا، وہ نماز سے واپس آتے، تو نہ مجھے آواز دیتے نہ ہاتھ پکڑ کر جاتے بلکہ کان پکڑ کر سیدھا کر دیتے اور فرمادیتے، اب تک تو سو رہا ہے؟ مجھے مار مار کر نماز کا عادی بنادیا کہ میں فجر کی نماز کے وقت اُٹھ جاتا ہوں۔

ان کے والدین نہایت ہی دیندار، متبع سنت، احکام شرع پر پورے پابند تھے، ان کے والد صاحب جماعت کے سخت پابند تھے۔ اندھیری رات اور بارش میں بھی مسجد جاتے تھے۔ آپ کے والد صاحب کی عمر تقریباً سو سال کی ہوئی۔ اخیر عمر میں موسم گرما میں جب ان کی تکلیف کا احساس ہوا تو حضور حافظِ ملت عرض کرتے، آپ روزہ نہ رکھیں' ہم آپ کی طرف سے صدقہ ادا کر دیں گے، تو فرماتے میں یہ ہرگز گوارا نہیں کرسکتا، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مسلمان رمضان پائے اور روزہ نہ رکھے، یہی حال والدہ کا تھا۔ باوجود غربت کے ان کی والدہ محترمہ کا یہ طریقہ تھا کہ وہ پڑوسی کا اس قدر خیال رکھتی تھیں کہ اپنا کھانا اکثر بیوہ پڑوسن کو کھلا دیتیں اور خود یونہی وقت گزار دیتیں۔

اپنے ان عظیم والدین کے بارے میں حافظِ ملت قدس سرہٗ فرماتے ہیں، یہ مجھ پر میرے ربّ کا احسانِ عظیم ہے کہ ایسے والدین کی آغوش کرم میں پرورش پائی۔

عہدِ طفلی میں بتادیتی ہیں راز کن فکاں　　　　اور اسلام کی ایمان پرور لوریاں

آپ کے والد صاحب بڑے جید حافظ اور عاشق قرآن مجید تھے' چلتے پھرتے اُٹھتے بیٹھتے ہر وقت قرآن مجید پڑھتے۔ قرآن مجید ایسا یاد تھا کہ متشابہ نہیں ہوتا تھا تعلیم ایسی تھی کہ بھوجپور اور شہر مراد آباد میں ان کے شاگرد اعلیٰ درجہ کے حافظ مانے گئے۔

ابتدائی تعلیم

حضور حافظِ ملت علیہ الرحمۃ نے قرآن مجید اپنے والد سے حفظ کیا۔ فارسی کچھ بھوجپور مولوی عبدالمجید صاحب سے کچھ پیپل سانہ جناب مولوی حکیم مبارک اللہ صاحب اور جناب حافظ حکیم نور بخش صاحب سے پڑھی۔ ان کا مبلغ علم حفظ قرآن اُردو درجہ چار فارسی گلستان، بوستان ہوا۔

بھوجپور کے رئیس اعظم شیخ حمید الدین صاحب تھے۔ انہوں نے آپ کو اپنی مسجد کا امام مقرر کردیا اور مسجد ہی میں مدرسہ حفظ القرآن قائم کر کے انہیں اس کا مدرس مقرر کردیا۔ روزانہ ایک قرآنِ پاک پڑھتے' اسی طرح پانچ سال گزارے۔

آپ کی پاکیزہ جوانی

یہ حضور حافظِ ملت کی زندگی کا وہ دَور ہے کہ حفظ مکمل ہو چکا ہے، اُردو بھی پڑھ لی ہے، گھریلو حالات کے پیش نظر تعلیم کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ عمر کا یہ وہ دور ہوتا ہے جب انسان مختلف خواہشات رکھتا ہے کچھ تمنائیں جنم لیتی ہیں، عیش و آرام کی زندگی بسر کرتا ہے لیکن یہاں اس کے برعکس خدمت وملت کا جذبہ سینہ میں اُبھرتا ہے لیکن مجبوریاں زنجیر بنتی ہیں۔ آخر اس کا انکشاف والدہ محترمہ پر کر دیتے ہیں کہ اماں! آپ تو کہا کرتی تھیں کہ تیرے دادا نے کہا ہے کہ تُو عالم دین بنے گا لیکن میں تو نہیں بنا۔

اس جملے کو سن کر ماں کا کلیجہ تڑپ جاتا ہے، آنکھیں پُرنم ہو جاتی ہیں اور ہاتھ بارگاہِ ایزدی میں ملتجی ہوتے ہیں۔ اس جملے میں کتنی تڑپ کا احساس ہوتا ہے، کتنی یاس ٹپکتی ہے، دِن گزرتے گئے لیکن یہ دن کیسے گزرے اس کی مثال کم ہی ملے گی، بلکہ یہ دن بے مثال تھا کہ روزانہ ایک ختم قرآن پاک، پانچوں وقت قصبے کی سب سے بڑی مسجد کی امامت کرنا، دونوں وقت مدرسہ میں درس حفظ قرآن دینا۔

پانچ سال اسی طرح بیتے اور ایک دن ان کے دادا حضور مُلّا ابراہیم صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کہی ہوئی بات کہ میرا یہ بچہ عالم بنے گا کاظہور ہوا کہ مراد آباد سے حکیم محمد شریف صاحب بھوجپور مریض دیکھنے آیا کرتے تھے' ان کی اقتداء میں نماز پڑھتے۔ ایک مرتبہ حضور حافظِ ملت کو دیکھ کر فرمایا، حافظ صاحب میں آپ کو طِب پڑھاؤں گا۔

حضور حافظِ ملت قدس سرہٗ نے اپنے والد سے اجازت طلب کی، اجازت مرحمت فرمانے پر مراد آباد تشریف لے گئے۔

حضور حافظِ ملت علیہ الرحمۃ' مراد آباد میں حکیم محمد شریف صاحب کی خدمت میں طِب پڑھنے کیلئے حاضر ہوئے، حکیم صاحب نے گلستان سے ان کا امتحان لیا۔ اس کے بعد فرمایا، آپ کا دِماغ عربی کے لائق ہے۔ آپ عربی پڑھئے اور عربی میں طِب پڑھئے۔

حکیم صاحب نے پندرہ دِن میں میزان ومنشعب ختم کرادیں پھر نحو میر اور صرف میر شروع کروادیں اور دو مہینوں میں ختم کروادیں۔

اس کے بعد حکیم صاحب نے آپ کو پڑھانے سے معذرت طلب کرلی' فرمایا، اب مجھے مطالعہ کرنا پڑے گا مجھے فرصت نہیں۔

انہوں نے استاد محترم سے اِصرار کیا مگر وہ نہ مانے۔ ان کے متعلق شہرت ہوگئی تھی کہ عربی پڑھ رہے ہیں چنانچہ انہوں نے چھوڑنا مناسب نہ سمجھا جامعہ نعیمیہ میں پڑھنا شروع کردیا۔

آپ نے اتنی محنت سے تعلیم حاصل کی اور آپ کی فطری صلاحیتوں میں سخت جدوجہد سے اتنا عروج پیدا ہوا کہ آپ کی علمی استعداد اور قابلیت کا طلبہ واساتذہ کرام میں چرچا ہونے لگا اور حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ تو اپنے حقیقی بیٹوں سے بڑھ کر آپ سے محبت فرمانے لگے۔

صاحب بہارِ شریعت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ کے سایۂ کرم میں

جامعہ نعیمیہ میں تین سال تک تحصیل علم کے بعد مرادآباد میں آل انڈیا سنی کانفرس کے انعقاد کے موقع پر حافظ ملت علیہ الرحمۃ نے جب حضور صدر الشریعہ سے تعلیم حاصل کرنے کی خواہش کا اظہار فرمایا تو حضور صدر الشریعہ نے آپ کی درخواست کو شرف قبولیت بخشا اگرچہ حافظ ملت اس وقت ابتدائی عربی کتابیں پڑھ رہے تھے اور حضور صدر الشریعہ اونچے درجے کو پڑھایا کرتے تھے مگر حافظ ملت کی تشنگیٔ علم اور ذہانت کا اندازہ فرماتے ہوئے آپ نے اوقاتِ تدریس کے علاوہ تعلیمی سلسلہ کا آغاز فرمادیا۔ چنانچہ آپ نے محنت سے تعلیم حاصل کی۔

مُلّا حسن وغیرہ پڑھنے کے بعد حافظ ملت نے خانگی مشکلات کے بعد دورہ لے لینے کی خواہش کا اظہار کیا مگر حضرت صدر الشریعہ نے آپ کی علمی لیاقت اور فطری صلاحیت کے پیش نظر منظور نہ فرمایا اور ارشاد فرمایا، زمین پھٹ جائے، آسمان ٹوٹ پڑے، یہ تو ممکن ہے، مگر آپ کی ایک بھی کتاب چھوٹ جائے یہ ممکن نہیں، آپ کو ہر صورت درس نظامیہ کا کورس پورا کرنا ہے۔

اور بالآخر مُشفق اُستاد نے اس جوہر خام کو علم و کمال کا مخزن و معدن بنا کر دُنیا کے سامنے پیش کیا۔ جنہیں اب دنیا بجا طور پر جلالۃ العلم اور استاذ العلم کے القاب سے یاد کرتی ہے۔

حافظِ ملت علیہ الرحمۃ کو حضرت صدر الشریعہ مولانا حکیم امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ سے اُستاد و مُرشد اور مُربی ہونے کے ناطے نہایت درجہ محبت اور شیفتگی تھی۔ اس لئے ان کی نگاہِ کرم نے انہیں خزف سے کیمیا بنادیا تھا۔

حضرت صدر الشریعہ نے حافظِ ملت کو علم و فضل سے بھی نوازا تھا اور ان پر اپنے کردار و اعمال کا پورا پورا پرتو بھی ڈالا تھا۔ اسطرح حضرت حافظِ ملت علیہ الرحمۃ علم و فضل میں ثانی صدر الشریعہ بن گئے تھے۔ اُستادِ گرامی سے آپ کی والہانہ عقیدت و محبت کا اظہار قدم قدم پر ہوتا تھا۔ ایک بار خود فرمانے لگے، جب میں اجمیر شریف میں طالبِ عالم تھا تو حضرت صدر الشریعہ عصر کی نماز کے بعد مجھے اور مولانا سردار صاحب کو ایک کتاب غالباً (قطبی) کا درس دیتے تھے۔ ہم لوگ جب حضرت صاحب کی درسگاہ سے باہر نکلتے تو ہر ایک صدر الشریعہ کے نعلین دُرست کرنے میں سبقت کرتا، حتیٰ کہ ہم کبھی کبھی ایک دوسرے سے لڑ پڑتے۔ چنانچہ کچھ روز بعد آپس میں یہ طے پایا کہ ہم دونوں ایک ایک پاؤں کا جوتا سیدھا کر دیا کریں گے کہ دونوں برابر فیض اُٹھائیں اور کوئی محروم نہ رہے۔ یہ وارفتگی، شعور کی پختگی اور علم کاملیت کے ساتھ ہی پختہ ہوا اور ایسی پختہ ہوئی کہ فیض پا کر ایک **حافظِ ملت** ہوئے اور دوسرے محدثِ اعظم کہلائے۔

حضور حافظِ ملت خود فرماتے ہیں، اس وقت کے طلبہ اپنے اساتذہ کرام کا انتہائی ادب و احترام اور تعظیم و توقیر کرتے تھے، ان کی خدمت گزاری کو اپنی سعادت جانتے تھے۔ اساتذہ بھی طلبہ پر شفقت و محبت فرماتے تھے اور ان کی تعلیم و تربیت پر پوری توجہ و کوشش فرماتے تھے۔

حضور حافظِ ملت علیہ الرحمۃ کا اندازِ ادب و احترام یہ تھا کہ جب آپ حضور مفتی اعظم ہند کھوچھوی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور دیگر بزرگوں کی بارگاہ میں جاتے تو سراپا ادب بن کر جاتے، گوکہ یہ شخصیات استاد نہ تھیں۔

حضور حافظِ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے استادِ محترم حضور صدر الشریعہ کے نہ صرف سعادت مند شاگرد تھے بلکہ انکے سچے پیروکار بھی۔ ایک بار فرمایا، میں نے حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ سے سب کچھ حاصل کیا، یہاں تک کہ کھانا پینا اور چلنا بھی میں نے حضرت سے سیکھا مزید ارشاد فرمایا، میں بہت گرم چائے اس لئے پیتا ہوں کہ حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی بہت گرم چائے پیتے تھے۔ کس قدر اتباع اور پیروی کا جذبہ ہے۔

اپنے استادِ محترم کے حکم کا کتنا پاس تھا کہ مبارک پور کے سخت حالات میں بھی اپنے کام میں لگے رہے۔ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں، غلام نہایت خاموشی سے مدرسہ کا کام کرتا ہے اور اسی طرح ارشاد عالی کے مطابق جب تک منظورِ ربّ ہے' خدمت کرتا رہے گا۔ حضور سے التجا ہے کہ اس ناکارہ غلام کیلئے دعائے خیر فرمائیں۔

حضور حافظِ ملت اپنے استاد کی خدمت کو اپنے لئے سعادت مندی سمجھتے تھے۔ دورِ طالبِ علمی میں اجمیر شریف میں ٹھہرے اور اپنے استادِ گرامی کے یہاں اکثر حاضری دیتے اور ان کے تمام گھریلو اُمور کی انجام دہی کو باعثِ سعادت و برکت سمجھتے تھے مثلاً بازار سے غلّہ اور کپڑا وغیرہ لانے کا کام آپ کے سپرد تھا۔ آپ ان تمام کاموں میں خوب ماہر تھے۔ گندم خریدنا اور پسوانا اور پھر پسا ہوا آٹا گھر پہنچانا یہ سب کام بڑی محنت اور توجہ سے کرتے۔

نیز تعلیمی معاملات میں بھی جاں سوزی اور ذوق و شوق سے کافی وقت صَرف کرتے تھے۔

حضرت علامہ حافظ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یعنی حافظ ملت پر استادِ گرامی' حضور صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ کی نظرِ خاص تھی۔ حضور صدر الشریعہ' حافظ ملت پر بیحد شفیق اور باپ سے زیادہ مہربان تھے۔ ان کے دل میں اس ہونہار طالبِ علم کیلئے بے انتہا وقعت اور محبت تھی اور انہیں کامل وثوق تھا کہ حافظ ملت سے میرے علوم کو فروغ ہوگا۔

اس اعتقاد کا نتیجہ تھا صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے مولانا عطاء المصطفیٰ صاحب اور قاری رضاء المصطفیٰ صاحب سے لے کر بعد کے تمام فرزندگان گرامی اور پوتوں کو حافظِ ملت الحاج عبدالعزیز علیہ الرحمہ کی سرپرستی میں دے دیا۔

اور اس لائق شاگرد نے اپنے باوقار استاد کی عطا کی ہوئی امانت اس کے وارثین میں پہنچانے میں ذرّہ برابر کسر نہ اُٹھا رکھی۔

محدث کبیر مولانا ضیاء المصطفیٰ صاحب کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ صدر الشریعہ کے کرم سے مجھے علم کا جو کچھ حصہ مرحمت ہوا تھا وہ سب میں نے مولوی ضیاء کو دے دیا۔

اگر یہ دیکھا جائے تو کچھ غلط نہیں کہ مبارک پور کی سرزمین پر اشرفیہ جیسا کہ مرکز بنانے میں حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی کامل توجہ شامل حال تھی۔ آپ علیہ الرحمہ حافظ ملت کو اپنا نائب تصوّر فرماتے تھے۔ اس وادی پُر خار میں علوم و عرفان کی چمن بندی میں انہیں منتخب کیا اور روانہ فرمایا۔

مبارک پور روانہ کرتے وقت فرماتے تھے کہ میں آپ کو اکھاڑے میں بھیج رہا ہوں۔ اس پر حضرت ملت نے عرض کیا، حضور اکھاڑے میں اُترنے کیلئے کچھ داؤ جاننا ضروری ہے۔ ارشاد ہوا، خدا آپ کا حافظ و ناصر ہے۔

استادِ گرامی کے حسبِ ارشاد خدا کا نام لیکر حافظِ ملت نے مبارک پور میں قدم رکھا اور اس اکھاڑے میں کامیاب و کامران گزرے آپ فرماتے ہیں، مجھے حضرت صدر الشریعہ نے دین کی خدمت کیلئے بھیجا۔ دینی خدمت سمجھ کر کام کیا، حضرت قبلہ کی دعا شامل حال تھی ترقی ہوگئی۔

اشرفیہ کے پر پیچ حالات میں وہ حضرت صدر الشریعہ سے ہمیشہ مشورہ فرماتے رہے اور اشرفیہ کیلئے تگ و تاز انتظام و انصرام سے لے کر تعلیم و تعلم تک ہر مسئلہ میں ان کی رائے گرامی ضرور حاصل کرتے۔ انتظامیہ کے دانشمند لوگ بھی حضرت صدر الشریعہ کے احترام کو ہمیشہ مقدم رکھتے تھے۔

حافظِ ملت کا تو یہ حال تھا کہ ان کی مرضی ہی سے ہر کام کرتے تھے اس کیخلاف کچھ نہ ہوگا۔ حضرت مولانا شمس الحق مدرس اشرفیہ کو ناگپور سے تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت ممدوح مدظلہ (اپنے استاد گرامی کو اس طرح مخاطب کرتے تھے) میرے مالک ہیں ان کے حکم کے خلاف میں کہیں بھی نہیں رہ سکتا۔

حافظ ملت کی مبارکپور تشریف آوری

ابتداء ہی سے مبارک پور قصبہ کی مذہبی آبیاری میں سلطان المشائخ حضرت مولانا سیّد شاہ علی حسین اشرفی میاں علیہ الرحمۃ اور صدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ (مصنف بہارِ شریعت) نے زبردست سعی فرمائی تھی۔

اشرفیہ مبارکپور کی پیش کش پر صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ نے اپنے تلمیذ رشید حافظِ ملت حضرت مولانا حافظ عبدالعزیز صاحب مرادآبادی کی ۱۹ شوال ۱۳۵۲ھ بمطابق ۱۴ جنوری ۱۹۳۴ء کو بھیجا تاکہ وہ مدرسہ اشرفیہ صباح العلوم میں صدر المدرس کی حیثیت سے رہ کر اس سرزمین پر دینی خدمات انجام دیں۔

اپنے مشن سے محبت

حافظِ ملت کی شخصیت ایک مرکزی شخصیت تھی جسے آپ نے اپنے مشن کا اصلی نشانہ بنایا جو مرکزی اور اصولی حیثیت کے حامل ہیں آپ صرف نہروں پر قانع نہ تھے بلکہ سمندر اور دریا کو بھی اپنے کمندِ عمل کے ذریعے کاٹ کر راستہ بنانے کو مقصدِ حیات سمجھتے تھے تاکہ سیرابی وشادابی کا سلسلہ عام سے عام تر ہو سکے۔

جذبۂ دینی سے سرشار ہو کر اکثر فرمایا کرتے، مسجد بنانا ثواب، سرائے بنانا ثواب، یتیم خانہ بنانا بھی یقیناً ثواب مگر مدرسہ سب سے بنیادی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ اگر علماء پیدا نہ ہوں گے تو ان سب کو آباد کون کرے گا اور کون حفاظت کرے گا؟

فرماتے! میں نے مدرسہ کا بہت سوچ سمجھ کر قدم اُٹھایا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر علماءِ دین نہ ہوں تو لوگوں کا جینا مشکل ہو جائے اور انسانوں اور حیوانوں کی زندگی میں کچھ فرق نہ رہے۔

یہی حافظِ ملت جیسے لوگ حقیقت میں اور احکامِ دین کے شناسا ہوتے ہیں اور وقتاً فوقتاً لوگوں کو احکامِ خدا اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بتاتے ہیں اور اسلام کی روشنی میں زندگی گزارنے کی راہوں پر لگاتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت نے اپنے کو تصنیف وتالیف میں پورے طریقے سے نہیں مشغول کیا اس لئے کہ تصنیف وتالیف کی اہمیت سے حضرت خوب واقف تھے مگر حضرت نے خوب سوچ سمجھ کر ہمہ جہتی ادارے کی تعمیر کو سب پر مقدم رکھا۔ حافظِ ملت حضرت مولانا حافظ عبدالعزیز صاحب مرادآبادی علیہ الرحمۃ کی مبارک پور تشریف آوری ہوئی تو اس شمعِ علم پر پروانے اس طرح ٹوٹ رہے تھے گویا ساون کی خاموش اندھیری رات میں کسی ویرانے میں شمع روشن ہوگئی ہو۔ اسی طرح اس قندیلِ علم کی روشنی چارسو بکھر گئی اور ذرہ ذرہ روشن اور تابناک ہوگیا۔

دیکھتے دیکھتے مدرسہ کی غیر آباد عمارت میں قال اللہ اور قال الرسول کی صدائیں گونجنے لگیں۔ طالبانِ شوق دُور دراز مقامات سے مبارک پور آنے لگے۔ تھوڑے ہی دِنوں میں بہاولپور، بہار اور بنگلہ تک کے طلباء حافظِ ملت کے حلقۂ درس میں سمٹ آئے۔

دورِ طالب علمی ختم ہوا تو حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ نے ضلع اعظم گڑھ کے ایک غیر معلوم قصبہ مبارک پور کے مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم میں تدریس کیلئے آپ کا انتخاب فرمایا اور بریلی ہی سے چند طلبہ ہمراہ لے کر مبارک پور تشریف لائے مگر آپ کی علمی استعداد نے ایک ہی سال میں اس چھوٹے سے مدرسہ کو اس قدر بامِ عروج پر پہنچا دیا کہ یہاں طلبہ کا ایک ہجوم اُمنڈ پڑا۔

آپ کی اس بے پناہ مقبولیت اور عزت وشہرت پر حسد کرتے ہوئے مبارک پور کا سب سے بڑا دیوبندی مولوی جو پورے اعظم گڑھ کے فرقۂ وہابیہ کا دلداہ سمجھا جاتا تھا۔ مذہبی بنیاد کو چیلنج کرنے لگا اور پورے ضلع کے دیوبندی مولوی متحد محاذ بنا کر آپ سے تقریری وتحریری مناظرہ کیلئے لنگر لنگوٹ باندھ کر اکھاڑے میں اُتر پڑا۔ اس معرکہ میں حافظِ ملت نے تنہا ان تمام کا مقابلہ کیا۔

شرپسند عناصر کو حافظِ ملت کا علمی فروغ اور مدرسہ کی ترقی ایک چشم نہ بھائی۔ چنانچہ انہوں نے جلسے اور تقریروں کے انداز میں تخریب کاری شروع کی جس کے نتیجہ میں ایک خاصا علمی پیکار چھڑ گیا۔ ان شرپسندوں سے مسلمانوں کے ایمان کی دولت بچانے کیلئے حافظِ ملت کو سوا چار ماہ متواتر مقابلہ کرنا پڑا۔ اس مذہبی کش مکش میں آپ کا علمی جوہر چڑھتے سورج کی طرح اُجاگر ہو گیا اور اہل مبارک پور نے جان لیا کہ رحمتِ الٰہی نے حافظِ ملت کی شکل میں سچا رہنما اور مخلص قائد عطا فرمایا ہے۔

اس مذہبی کش مکش میں جبکہ مبارک پور کا ایک ایک بچہ جوش وخروش کا پُتلا بنا ہوا تھا۔ حافظِ ملت نے ایک آزمودہ کار قائد کی طرح اس جوش وخروش کو تعلیم کی راہ میں لگا دیا۔ شاید ان کی اس کاوش کے نتیجہ میں شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

وہی زمانے کی گردش پہ غالب آتا ہے　　　جو ہر نفس سے کرے عمرِ جاوداں پیدا

جامعہ اشرفیہ کیلئے حضور حافظ ملّت کی محنت

مدرسہ جو شاہین صفت نوجوانوں کی تربیت گاہ ہے جس سے فکر ونظر کو پختگی اور جلا ملتی ہے۔ جس کے اقبال اور انحطاط کے اثر سے پوری قوم متاثر ہوتی ہے۔ ایک ایک فرد پر اس کا اثر پڑتا ہے۔ اس نے فروغِ دین اور اصلاحِ اُمت کیلئے تعلیمی شعبہ سے حافظِ ملت نے حیرت انگیز اقدامات کئے اور وقت کی ضروریات اور اس کے مسائل کی عقدہ کشائی کیلئے ذہن وفکر کی بہترین صلاحتیں صرف کیں۔ انہوں نے جامع اور ہمہ گیر منصوبہ کے تحت الجامعۃ الاشرفیہ کی بنیاد ڈالی۔

ان کے مقصد کی طرف جدو جہد اور والہانہ عشق دیکھنا ہو تو ان کی بے قرار زندگی کا ہر ہر لمحہ دیکھیں۔ ہر طرف سے یکسو ہو کر اب صرف ایک مقصد ان کے پیش نظر ہے، ایک ہی غم ہے جس نے تمام غموں سے بے نیاز کر دیا ہے وہ غم ہے دین کے مستقبل کا غم۔ **الجامعۃ الاشرفیہ** سے حضور حافظِ ملت مولانا عبدالعزیز قدس سرہٗ کا کیا تعلق تھا اور اس کے عروج و ارتقاء کے کس قدر خواہشمند تھے کہ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ فرماتے ہیں، میں اشرفیہ کیلئے اپنی جان دے سکتا ہوں مگر اس کی پستی آخر دم تک نہیں برداشت کر سکتا۔ میں نے اشرفیہ کو اپنا پسینہ نہیں خون پلایا ہے۔

آپ نے مبارک پور آتے ہی تدریس کا کام زور وشور سے شروع کر دیا۔ طلبہ کا ہجوم ہو گیا، آپ تنہا تیرہ کتابوں کو پڑھاتے۔ جن میں سب سے پہنچی ہوئی کتاب شرح جامی تھی۔ آپ نے تدریس کے علاوہ تقریر کے ذریعے مبارک پور کے خفتہ ماحول میں بیداری پیدا کر دی۔ سچی لگن، قلبی ہمدردی اور خلوص کے ساتھ آپ نے مسلم آبادی کو ان کے اصل مقصد کی طرف رجوع کر لیا۔ **حضور** حافظِ ملت نے جامعہ اشرفیہ کو اپنا خونِ جگر پلا کر جوان کیا۔

تنہا نہیں ہوں خون پسینہ ہے میرے ساتھ
تم تھک کے بیٹھ جاؤ کہ مجھ میں ہے دم ابھی بھی

اس کے مصداق صرف کام ہی کرتے رہے۔ ان کی اسی عادت نے جامعہ اشرفیہ کو اس قدر ترقی دی۔ جامعہ اشرفیہ میں کام کے دوران مخالف طبقہ اگرچہ اپنی پوری قوت سے مقابل ہوا، مگر حق اور صداقت کا ایک ہی علمبردار ان تمام ریشہ دوانیوں سے نمٹنے کیلئے کافی وشافی تھا۔

آپ کا سب سے بڑا کارنامہ تو یہ ہے کہ مبارک پور کے مکینوں کے سینوں کے اندر جذبہ سُنّیت بیدار کر دیا اور پھر اس سے قبل کہ ان کے جذبات کا رُخ کسی اور طرف پھرتا۔ آپ نے دارالعلوم کیلئے عمارت کا منصوبہ پیش کیا۔ آپ کی ایک آواز پر سارا مبارک پور سربکف ہو گیا۔ وہ ایک شوق طلب تھا جو اس وقت مبارک پور کے بچے بچے کے رگ و پے میں موجیں مار رہا تھا اور یہ بات مُسلّم ہے کہ خواہش جب شوق کی منزل میں داخل ہوتی ہے تو منزلِ مقصود کے حصول میں دیر نہیں لگتی۔

ہو اگر شوقِ طلب ڈھونڈنے والوں میں پھر
سینکڑوں منزلیں راہوں کے غبار میں ملیں

دارالعلوم کا منصوبہ پیش کرنے کے بعد کئی کام بڑھ گئے۔ حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سنّی کانفرنسیں کیں۔ جامعہ اشرفیہ کو عربک یونیورسٹی کی حیثیت سے دنیائے اسلام کے سامنے کھڑا کیا۔ اس یونیورسٹی کا نصاب تمام اسلامی یونیورسٹیوں اور مذہبی اداروں کے نصاب کی روشنی میں مرتب کیا گیا۔ جامعہ اشرفیہ کی تعلیمی زبان عربی قرار دی گئی۔ عربی ادب کے علاوہ چار مستقل زبانیں اُردو، فارسی، سنکرت اور انگریزی کی تعلیم اس یونیورسٹی سے دی جانے لگی۔ جیسے جیسے حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی خدمات اور جدوجہد کا سلسلہ دراز ہوتا جاتا تھا۔ صحت برابر اس سے متاثر ہوتی جاتی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت گلشن اشرفیہ کو برابر اپنے خون سے سینچ رہے ہیں۔

جامعہ اشرفیہ کے ذریعے قوم کا شعور بیدار کیا

قوم نے الجامعۃ الاشرفیہ کو اپنی آرزوؤں کا حاصل بنالیا اور اپنی تمام توانائیاں جامعہ کی ترقی وارتقاء کی راہ میں خرچ کرنے لگی اس طرح سے حضور حافظِ ملت نے قوم کو سائل بہ عمل کر دیا۔

اس تاریخ ساز شخصیت اور انقلاب انگیز ذات نے عاشق ماہِ رسالت، تاجدارِ اہلسنّت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے متعین کردہ خطوط عمل کے مطابق ایک علمی اور اصلاحی معاشرہ تشکیل فرمایا اور ایک ایسی قوم منظر عام پر آئی جو حسن عقیدت کے ساتھ ساتھ جشن استدلال کی دولت سے بھی مالا مال تھی۔

تلاش بیسار کے بعد بھی ہندوستان کی ایک ہزار سالہ تاریخ دعوت میں کوئی فرد کامل نہیں ملتا جس نے اپنی زندگی میں ایک درسگاہ قائم کی ہو اور اس کی حیات ہی میں اس درسگاہ کے طلبہ اور فارغ التحصیل علماء نے غیر منقسم ہندوستان کے طول وعرض میں ہزاروں درسگاہیں قائم کردی ہوں اور اوّلین درسگاہ کا بانی اپنے مولائے حقیقی کے حضور اس وقت پہنچا جبکہ ملک کا گوشہ گوشہ اس کی تعلیمات کا امین اور اس کے دینی نظریات کا علمبردار ہوا۔

خدا تعالیٰ نے یہ شرف صرف حضور حافظ ملت کے مقدر میں لکھا تھا۔ آپ نے اپنی حیات میں الجامعۃ الاشرفیہ کے ہزاروں طلبہ کو مسندِ تدریس پر فائز فرمادیا تھا اور جب آپ اپنے خدائے حقیقی سے ملے تو آپ کی ذات اقدس کے چراغ سے ملک کے طول وعرض میں ہی نہیں بلکہ بیرونِ ملک میں ان سے ہزاروں چراغ روشن ہو چکے تھے۔

آج بھی باطل کی طوفانی آندھیوں میں آپ کا اخلاص عمل فانوس بن کر ان کی حفاظت کر رہا ہے۔

دارالعلوم کا منصوبہ پیش کرنے کے بعد کئی کام پیدا ہوگئے۔ حضور حافظِ ملت نے کئی کانفرنسیں منعقد کیں۔ جامعہ اشرفیہ کو ایک یونیورسٹی کی حیثیت سے دنیائے اسلام کے سامنے کھڑا کیا۔ اس یونیورسٹی کا نصاب تمام اسلامی یونیورسٹیوں اور مذہبی اداروں کے نصاب کی روشنی میں مرتب کیا گیا۔

الجامعۃ الاشرفیہ کی تعلیمی زبان عربی قرار دی گئی۔ عربی ادب کے علاوہ چار مستقل زبانیں اُردو، فاسی، سنکرت اور انگریزی کی تعلیم اس یونیورسٹی سے دی جانے لگی، تاکہ دوسرے طبقات مذاہب سے افہام وتفہیم آسان ہو اور اسلام کا پیغام حق کو مختلف زبانوں میں دنیا کے سامنے پیش کے جاسکے۔

درسگاہِ جامعہ اشرفیہ ہی صرف ان کا مشن نہ تھی بلکہ اس عمارت کے علاوہ حضور حافظِ ملت علیہ الرحمۃ نے اس کے علاوہ مستقبل میں بننے والی عمارت کا خاکہ بھی پیش کیا جس سے اس بات کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے ملک وملت کی تعمیر کا یہ کارخانہ کتنی وسعت چاہتا ہے اور اس کیلئے کتنی قربانیاں درکار ہیں۔

(۱) دارالاقامہ (۲) مسجد کی عمارات (۳) دارالحفاظ کی عمارت (٤) دارالتجوید کی عمارت (٥) دارالتصنیف وتالیف کی عمارت (٦) دارالافتاء کی عمارت (۷) لائبریری کی عمارت (۸) مکتبہ جات کی عمارت (۹) مہمان خانہ کی عمارت (۱۰) جامعہ طبیہ کی عمارت (۱۱) پریس اور فن کتابت کی تربیت گاہ کی عمارت (۱۲) الجامعہ اشرفیہ کے دفاتر کی عمارت (۱۳) ہائی اسکول کی عمارت (۱٤) جامعہ سے متعلق مارکیٹ کی عمارت (۱٥) جامعہ کیلئے رہائشی عمارت (۱٦) بیت المال کی عمارت۔

جیسے جیسے حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ کی خدمات اور جدوجہد کا سلسلہ دراز ہوتا جاتا' صحت برابر اس سے متاثر ہوتی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت گلشن اشرفیہ کو برابر اپنے خون سے سینچ رہے ہیں۔

حضرت کو دیکھنے والے اس کے شاہد ہیں کہ یونیورسٹی کی تعمیر سے پہلے حضرت کی صحت بہت اچھی تھی لیکن جیسے جیسے تعلیمی اور تعمیری کام آگے بڑھتا گیا اور حضرت نے اپنی مساعی جمیلہ کو تیز فرمایا۔ تیزی کیساتھ صحت گھٹتی تھی اگرچہ اس شدید علامت ونقاہت کے بعد حضرت نے اپنی جدوجہد کا سلسلہ ٹوٹنے نہ دیا۔

'اخلاص' آپ کا نمایاں پہلو

جامعہ اشرفیہ کیلئے حضور حافظِ ملت علیہ الرحمۃ کے اخلاص کا کیا کہنا کہ کبھی بھی آپ نے کسی قسم کے معمولی اور دُنیاوی مقاصد کو اپنے کام کی بنیاد نہ بنایا۔ ایک مرتبہ فرمایا، میں نے کبھی اضافی تنخواہ کی درخواست نہیں دی، جو ملا لے لیا اور اب تو کئی سال سے بلا تنخواہ کام کر رہا ہوں، پھر بھی اللہ کا فضل ہے کہ مجھ میں کوئی فرق نہیں آیا اور سارا کام بدستور چل رہا ہے اور ایسا کیوں نہ ہو کہ خدا کا وعدہ ہے: ان تنصروا اللہ ینصرکم اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے بلکہ آج کل کا عام ماحول ہے کہ کام کرنے کے بعد ستائش اور شہرت کی فکر ہو جایا کرتی ہے اور آدمی زیادہ سے زیادہ اپنا نام اُجاگر کرنے کی کوشش کرتا ہے، مگر حافظِ ملت علیہ الرحمۃ نے کبھی اشارے کنائے میں بھی اس کی خواہش نہیں کی۔ آپ اکثر فرمایا کرتے، آدمی کو کام کرنا چاہئے شہرت اور ناموری کی فکر میں نہیں پڑنا چاہئے۔ کام کرو خود ہی اس کے صدقے سے نام اور شہرت حاصل ہو جائے گی اور جو شہرت کی فکر میں پڑتا ہے وہ اصل میں کام نہیں کرتا، نام کرتا ہے۔

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی ترقی کا راز حضرت حافظِ ملت علیہ الرحمۃ کا اخلاص اور للّٰہیت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہی عمل مقبول ہے جو صرف اس کی رضا کیلئے اس کی اطاعت میں ہو اور اس کے محبوبِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت میں ہو۔

ہمارے اسلاف و اکابر نے جو تعلیمی ادارے، مدارس اور درسگاہیں قائم کی تھیں ان کی بنیاد جذبۂ اخلاص کے ساتھ خدمتِ دین، حصولِ رضائے الٰہی اور اتباعِ اسوۂ حسنہ میں تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ بارگاہِ الٰہی میں مقبول و محبوب رہیں اور انکا فیضان بڑھتا ہی رہا اور ان کی ترقی ہوتی گئی۔

فرماتے، اسی طرح آدمی کو منصب اور عہدے کی خواہش نہیں کرنی چاہئے بلکہ کام کرتے رہنا چاہئے، منصب اور عہدے خود ہی اس کے قدم چومیں گے۔ بعض حضرات اگر کوئی مدرسہ یا ادارہ قائم کرتے ہیں تو خود ہی اس کا نام اپنے نام پر رکھتے ہیں تاکہ ان کا نام مستقل طور پر اس ادارے سے وابستہ رہے، مگر حافظ ملت علیہ الرحمۃ اس قسم کا کوئی تصور نہ رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ بعض معتقدین اگر حضرت کی طرف نسبت کرتے ہوئے مدرسہ عزیزیہ یا دارالعلوم عزیزیہ وغیرہ قسم کے نام رکھتے اور حضرت کو اطلاع ہوتی تو ناراض ہوتے اور فرماتے، کام کرنا چاہئے نام کی کیا ضرورت اور اگر نسبت ہی کی ضرورت تھی تو حضور غوثِ پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب کر کے مدرسہ غوثیہ یا پھر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی طرف منسوب کر کے مدرسہ رضویہ رکھنا چاہئے۔

حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ اکثر فرماتے تھے، میں نے اپنے آپ کو ہمیشہ دارالعلوم اشرفیہ کا خادم مانا، خدمت ہی اپنا کام ہے عہدہ اور اختیارات کا استعمال میرے خیال میں نہیں۔

حافظ ملت علیہ الرحمہ کی زندگی میں کام کی اہمیت

اُستاذ العلماء جلالۃ العلم حافظ ملت شاہ عبدالعزیز مراد آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اشرفیہ کو دارالعلوم اشرفیہ بنایا اور دارالعلوم اشرفیہ کو جامعہ اشرفیہ کے عظیم منصوبے میں تبدیل فرما کر اپنے معبودِ حقیقی سے جا ملے۔ لیکن اشرفیہ کو جامعہ اشرفیہ بنانے میں جو کام انہوں نے کیئے وہ کام رہتی دنیا تک قوم کیلئے عظمت کا مینار ہیں اور ہر آنے والی نسل اس عظیم رہنمائے کامل کے اس کارنامے کو سنہری حروف میں مرتب کرے گی۔

آپ علیہ الرحمہ نے قوم کے سامنے جب عربی یونیورسٹی کا تخیل پیش کیا تو قوم نے آپ کی آواز پر لبیک کہا، لیکن وہ قوم جو آج تک دارالعلوم اشرفیہ کا بارِ گراں اپنے کاندھوں پر اُٹھائے ہوئے تھی وہ اپنا سب کچھ پیش کر کے بھی جامعہ اشرفیہ کے تخیل کو شرمندۂ تعبیر نہیں کر سکتی تھی۔ اس لئے حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے پوری دنیا کی سُنّیت کو آواز دی۔ وہ ایام اور ان کے واقعات سنہری اور جلی حروف میں لکھنے کے قابل ہیں۔

حضور حافظِ ملت علیہ الرحمہ جب یونیورسٹی کی تعمیر کے سلسلے میں ملک کا دَورہ کر رہے تھے ان کا جسم اقدس ضعیف تھا، مگر ان کی سعی پیہم اور جہدِ مسلسل نے اہل قافلہ کو یقین دِلا دیا تھا کہ وہ منزلِ عمل کے سبب سے صحت مند قافلہ سالار ہیں۔

حضور حافظِ ملت علیہ الرحمہ دِن بھر روزہ رکھ کر دَورہ فرماتے اور شب میں تراویح اور تہجد میں دس پارے تلاوت فرماتے تھے۔

آپ اس وقت هم بالليل رهبان وبالنهار فرسان کی زِندہ مثال بن گئے۔

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی جاں گسل مشقتوں کو دیکھ کر یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوئی ہے کہ مقصد کی عظمت اور منزل کا وقار انسان کو بے پناہ توانائیوں سے نوازتا ہے۔

میں کہتا رکتا ہوں عرش و فرش کی آواز سے
تجھ کو جانا ہے، بہت آگے حدِ پرواز سے

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ سے جب بھی آرام کی درخواست کی گئی، انہوں نے اپنے غلاموں کے احساسات کا خیال فرماتے ہوئے قبول فرما لیا لیکن ان کا اضطراب بڑھ گیا اور گزرتے ہوئے لمحوں کو عمل گرفت میں لینے کیلئے بیقرار ہو گئے۔ اس وقت تک سکون نہ پایا جب تک مصروفِ عمل نہ ہو گئے۔ ان کو دین کیلئے تکالیف اُٹھانے ہی میں حقیقی راحت ملتی تھی۔

ایک دفعہ ان کی بارگاہ میں عرض کی گئی، حضور تھوڑا سا آرام فرمالیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس عظیم رہنمائے کامل، جید عالم نے کیا ارشاد فرمایا، فرماتے ہیں، زمین کے اوپر کام' زمین کے نیچے آرام۔

حضور اُستاذ العلماء کی حیات اقدس اس بات کی شاہد ہے کہ انہوں نے زندگی میں کبھی آرام نہیں فرمایا۔ حتیٰ کہ اس روز بھی جب وہ اپنے مولائے حقیقی سے ملنے والے تھے۔ انہوں نے اپنے لختِ جگر حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب کو درسِ حدیث دیا۔

گویا وہ وِراثت علم اپنے شہزادے کی طرف منتقل کررہے تھے۔ ان کا یہ عمل زبان حال سے پکار رہا تھا کہ مال جمع کرنے والے انتقال کے وقت مال دیا کرتے ہیں مگر میں نے زندگی بھر قرآن وسنت کی خدمت کی ہے، اس لئے میں اپنے ولی عہد کو وہی بخشش کررہا ہوں۔

آپ کے جدِّ امجد مرحوم نے آپ کا نام حضور سیّدنا عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کے نام پر اسی لئے رکھا تھا کہ آپ علمِ حدیث کی خدمت اسی طرح کریں گے جس طرح محدث دہلوی نے کی تھی۔ چنانچہ آپ نے زندگی بھر حدیث کی خدمت کی اور وصال کے بعد اپنے شہزادے کے ہاتھوں میں بخاری شریف دے کر یہ واضح فرماگئے کہ ہماری حیات بھی اسی لئے تھی اور تمہاری زندگی بھی اس عظیم مقصد کیلئے ہونی چاہیے۔

اشرفیہ کے سلسلے میں ایک بڑھتے ہوئے اضطراب کو دیکھ کر ان کے خُدّام عرض کرتے، حضور آپ زیادہ پریشان نہ ہوں' خدائے واحدہ' فردوس آپ کی پُرخلوص سعی کو رایگاں نہ فرمائیگا اور الجامعۃ الاشرفیہ کا تخیل ایک حقیقت بن کر منبرِ علم پر ضرور جلوہ گر ہوگا۔ آپ ارشاد فرماتے، تمہارا کیا خیال ہے ایسے انسان کے بارے میں جو اپنے اِردگرد کاموں کا انبار دیکھ رہا ہو اور یہ بھی دیکھ رہا ہو کہ سورج بس غروب ہونے والا ہے کیا وہ کاموں کی کثرت اور وقت کی قِلت دیکھ کر مضطرب نہ ہوگا اور کیا اس کا اضطراب بجانہ کہلائے گا۔

آپ نے ہمیشہ کام کیا اور کام ہی کو پسند فرمایا۔ چنانچہ جب کسی انسان کو مبتلائے غفلت دیکھتے تو بہت زیادہ کرب محسوس کرتے اور فرماتے، اسے کیا کرنے کیلئے پیدا کیا اور یہ کیا کررہا ہے؟

یہی وجہ ہے کہ آپ زندگی میں رُخصتوں کے بجائے عزیمتوں پر عمل فرمایا کرتے تھے۔ شدید بیمار میں نقاہت ہے لیکن رمضان شریف کے روزے اور جملہ اوراد و وظائف صحت مندوں کی طرح ادا کرتے ہیں۔

مبارک پور آنے کے بعد خارجی مخالفین کے علاوہ داخلی مخالفین بھی تھے لیکن ان مخالفین کے باوجود آپ علیہ الرحمۃ نے کام کو اوّلین ترجیح دی۔ اس بارے میں وہ خود فرماتے ہیں، مخالفت ہر قسم کی ہوا کرتی ہے اور کام کرنے والے اپنا کام کیا کرتے ہیں۔ کام کا یہی طریقہ ہے اور میں نے یہی کیا ہے۔ ایک اور موقع پر ارشاد فرماتے ہیں، میرے نزدیک ہر مخالفت کا جواب صرف کام ہے۔ آدمی صرف کام کیلئے پیدا کیا گیا ہے جو شخص بیکار ہے مُردوں سے بدتر ہے۔ کام کے آدمی بنو کام ہی آدمی کو معزز بناتا ہے۔

میں نے کبھی مخالف کو مخالفت کا جواب نہیں دیا بلکہ اپنے کام کی رفتار اور تیز کردی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کام مکمل ہوا اور میرے مخالفین کام کی وجہ سے میرے موافق بن گئے۔

غرضیکہ حافظ ملت کی پوری زندگی از اوّل تا آخر کام ہی کام سے عبارت تھی اور جس پہلو سے بھی دین کا کام کیا جاتا' حضرت اس سے بے پناہ خوش ہوتے کام کرنے والے کو خوب خوب نوازتے۔

تقریر، تدریس، تحریر تینوں طریقۂ تبلیغ پر حضرت نے خود ساری زندگی عمل کیا اور دوسروں کو اس کی طرف متوجہ کیا۔ بلکہ ہر کام کیلئے الگ الگ متحد جماعت پیدا فرمائی، اسی لئے آپ کے تلامذہ میں تقریر و خطابت کے بادشاہ بھی ملیں گے اور مسندِ تدریس کے رمز شناس بھی۔

تحریر و مصنف تو آپ کے تلامذہ کا خاص حصہ ہے ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں تقریر و تحریر کا تذکرہ آیا تو ارشاد فرمایا اور کیا خوب ارشاد فرمایا کہ تقریر سب سے آسان کام ہے، اس سے مشکل تدریس اور سب سے مشکل تصنیف۔

اسی لئے حضرت کی خدمت میں جب نئی کتاب پیش کی جاتی ہے تو اتنا خوش ہوتے کہ کسی دوسری چیز سے آپکو اتنی خوشی نہیں ہوتی۔

الغرض کہ حضور حافظِ ملت علیہ الرحمۃ کی پوری زندگی حرکت و انقلاب کی کھلی کتاب ہے۔ جس کا ورق ورق عزم و حوصلہ، جہد مسلسل، یقین رازغان اور صبر و ثبات کا پیغام دے رہا ہے۔

آپ نے اپنے تقلب فی الدین اور جرأت مردِ مومن کی ایسی شاندار مثالیں چھوڑی ہیں جو آئندہ آنے والی نسلوں کیلئے مشعل راہ ہیں انہوں نے اپنے بے قرار زندگی کا لمحہ لمحہ ذہن و فکر کی تعمیر میں صرف کردیا اور ہزاروں افراد کو اپنی مثال زندگی کا آئینہ دار بنادیا۔

آپ کا عظیم کارنامہ یہ بھی ہے کہ شوقِ جستجو کا اضطراب مسلسل اپنے تلامذہ میں بھی چھوڑ گئے۔

صبر لالہ میں روشن چراغ آرزو کردے
چمن کے ذرّے ذرّے کو شہید جستجو کردے

جامعہ اشرفیہ کی ترقی و کامیابی کا راز

ربّ تبارک وتعالیٰ جل جلالہٗ جب اپنے کسی بندے سے دین کا کام لینا چاہتا ہے تو اسے وہ خصائص، وہ کمالات اور وہ فضل بھی عطا فرماتا ہے جو اس خدمت کیلئے ضروری ہیں اور خود ہی ارشاد فرماتا ہے:

قل کل یعمل علیٰ شاکلتہٖ ط فربکم اعلم بمن ھو اھدی سبیلا (پارہ۱۵۔آیت:۸۴)

تم فرماؤ سب اپنے کینڈے (انداز)، پر کام کرتے ہیں تو تمہارا ربّ خوب جانتا ہے کون زیادہ راہ پر ہے۔

اسلام اللہ ربّ العزت کا دین ہے اپنے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس دین کے ساتھ بھیجا۔ جس کی بقاء اپنے ذمۂ کرم پر لی۔ جب سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دنیا سے ظاہری پردہ فرمایا۔ آپ کے بعد ایمان وعقائد اور اسلام پر کفار ومشرک حملہ آور ہوئے۔ اللہ عزّ وجل نے ورثۃ الانبیاء علماء حق سے ان کا منہ توڑ اور دندان شکن جواب دِلایا۔ ان ہی عظیم ہستیوں میں سے ایک ہستی یعنی صاحب سرف وصفاء حمل مجدد حامیٔ دین مصطفیٰ حافظ ملّت حضرت مولانا الحاج حافظ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور بھی ہیں۔

بلا شبہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو صاحب فضل وکمال بنایا تھا۔ آپ نہایت درجہ متبع شریعت تھے۔ اخلاص واحسان وتقویٰ آپ کا شعار تھا۔ عزم واستقلال اور توکل وقناعت کی عظیم دولت سے آپ سرفراز کئے گئے۔ جن مشکلات حالات میں آپ نے دین حق کی خدمت انجام دی وہ ہم سب کیلئے نمونہ تقلید ہے۔ قوم بے حوصلہ تھی اور مخالفین زور آور، آپ نے قوم کو حوصلہ دیا اور مخالفین کو ہم نوا بنایا اور بے زور وبے اثر بنایا۔

اس ترقی کے پچاس سال پہلے اگر اس مدرسے پر نظر ڈالی جائے تو یہ بات خوب واضح ہوتی ہے کہ یہ مدرسہ کیا تھا؟ ایک چھوٹا سا مکتب جس کو مدرسہ بھی بمشکل کہا جائے، جس کی عمارت شکستہ دیواریں، دوسری طرف بد مذہبوں کا زور، سنّی عوام کو تعلیم سے کوئی دلچسپی نہ تھی اور مالی حالت نہایت کمزور ان کی یہ بے رغبتی اور تعلیم سے بے تعلقی اس چھوٹے سے مدرسے کیلئے خطرہ تھی۔

ان نامساعد ودشوار گزار حالات میں ایسی سنگلاخ زمین ومخالف ماحول میں آپ نے یہاں آکر مذہبی تعلیم وتدریس کی ذمہ داری سنبھال لی پھر دیکھتے ہی دیکھتے مبارک پور کا یہ چھوٹا سا مکتب دارالعلوم اشرفیہ اور آج وہ بفضلہٖ تعالیٰ وکرمہٖ تعالیٰ ترقی کرکے الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی شکل میں ایک عظیم درسگاہ ہے۔

یہاں سے نور وعرفاں کی بارشیں ہونے لگیں، سینکڑوں کی تعداد میں علماء، فضلاء اور ہزاروں طلباء یہاں سے فیض وعمل حاصل کرکے ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئے اور دین کی خدمت انجام دینے لگے۔

حضرت حافظِ ملت علیہ الرحمۃ کی پچاس سالہ مسلسل جدو جہد نے گمنام و نا قابل ذکر مبارک پور کو ایک مشہور و عظیم مرکز علم میں تبدیل کر دیا۔

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی ترقی و کامیابی کا اصل راز حضرت حافظ ملت علیہ الرحمۃ کا اخلاص اور للّٰہیت ہے۔ ربّ تعالیٰ کے یہاں وہی عمل مقبول ہے جو صرف اسی کی رضا کیلئے اسی کی اطاعت میں ہو اور اسکے محبوب پاک رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت واتباع میں ہو۔ ہمارے اسلاف واکابر نے جو تعلیمی ادارے، مدارس اور درسگاہیں قائم کی تھیں ان کی بنیاد جذبۂ اخلاص کے ساتھ خدمتِ عمل، حصولِ رضائے الٰہی اور اتباعِ اسوۂ حسنہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ یہ بارگاہِ الٰہی میں مقبول ومحبوب رہیں اور ان کا فیضان بڑھتا ہی رہا۔

الجامعۃ الاشرفیہ کا وجود اسکی بقاء اور اس کی ترقی میں حضرت حافظ ملت علیہ الرحمۃ کی روحانیت، حُسنِ عمل اور اخلاصِ للّٰہیت کا خون گرم کام کر رہا ہے۔ آپ نے قوم کے سامنے بالعموم اور اہل مبارک پور کے سامنے بالخصوص جو کردار پیش کیا وہ ایک مثالی کردار ہے۔ جس نے انہیں آپ کا گرویدہ اور شیدائی بنا دیا۔

آپ نہایت پرہیزگار، عبادت گزار اور شب زندہ اور عابد تھے۔ توکل اور قناعت آپ کی زندگی تھی۔ اپنے ہم عصر علماء میں آپ کا ایک امتیاز مقام تھا۔ حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اصحاب خدمت تلامذہ میں سے صرف دو حضرات کو یہ فضیلت حاصل ہوئی کہ تشنگانِ علم کی ایک بڑی تعداد ان سے سیراب ہوئی اور ان کا فیضان علم دُور دَراز علاقوں تک پہنچا۔

(۱)	حضرت مولانا سردار احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	......	(محدثِ اعظم پاکستان)
(۲)	حضرت مولانا حافظ عبد العزیز علیہ الرحمۃ	......	(حافظِ ملّت)

آج اشرفیہ کی کامیابی دیکھ کر یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اس کی بنیاد ایک ایسے انسان نے رکھی کہ جس کے اندر ملتِ اسلامیہ کا درد کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اور خلوص للّٰہیت کے ساتھ جو بھی کام کیا جائے وہ کام دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کرتا ہے۔

آج مبارک پور اشرفیہ کا یہ عالم ہے کہ علم وفن کی روشنی اور دین کی سربلندی سے اس کی فضائیں معطر ومعنبر ہیں۔

اے مبارک پور اے رشکِ شعور علم و فن
دیکھتا ہے، چشمِ حیرت سے تجھے چرخ کہن
فضل ربّ سے آج بیداری تیری جوبن پہ ہے

وہ ننھا سا پودا جسے کبھی نسیم صبح کی خرامی متحرک کر دیا کرتی تھی۔ اسے حضور حافظِ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آج ایسا تناور درخت بنا دیا تھا کہ جسے دیکھ کر آندھیوں کا زہرہ آب ہو جاتا۔

آفرین و آفرین اس مردِ حق آگاہ کو
دے دیا جس نے عروج کوہِ مشقت گاہ کو

جامعہ اشرفیہ سے حضرت کی محبت کا کیا عالم تھا' اس کا اندازہ حضرت کے ایک مکتوب سے لگایا جاسکتا ہے جو مولانا سراج الہدیٰ صاحب کے نام ہے' لکھتے ہیں، میری عہد حاضری میں مدرسہ نہایت ہی پستی میں پہنچ کر مکتب کی صورت اختیار کر چکا تھا۔ اس سال پھر مجھ کو مجبور کیا گیا۔ حاضر ہوا مدرسہ کی ترقی اور بقا کیلئے از سر نو ہے کہ جس قدر زیادہ کمزور ہوتا جاتا ہوں۔ کام بڑھتا جا رہا ہے۔ ذمہ داریاں زیادہ ہوتی جاتی ہیں۔

دارالعلوم اشرفیہ کو مقصد زندگی قرار دے دیا ہے۔ اسی میں منہمک اور سرگرداں ہوں۔ میرا نظریہ چونکہ مدرسہ ہے اس لئے بڑی پُر اصرار دعوتوں پر بھی باہر نہ جاسکا۔ میرا منشا صرف خدمتِ دین ہے۔ میرا نظریہ مدرسہ ہے۔

جامعہ اشرفیہ کی ترقی کا ایک راز یہ ہے کہ اس مردِ مجاہد نے مدینے والی سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں بھی درس کی بھیک مانگی۔ اس واقعہ کو بھی نہایت مسرت سے جھوم جھوم کر اور آنکھوں میں مسرت کے آنسو بہا کر یوں بیان فرماتے کہ جامعہ اشرفیہ کی یہ بارگاہِ رسالت میں مقبولیت کی دلیل ہے کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدینہ طیبہ سے جامعہ اشرفیہ کیلئے سب سے پہلا چندہ دلوا دیا۔ تو اب یہ تعمیر ہو کر رہے گا۔ اس کو کوئی طاقت نہیں روک سکتی ہے۔ اسلئے کہ اب یہ میرے مدینے والے سردار علیہ السلام کی مرضی ہے۔

حافظِ ملّت بحیثیت شخصیت ساز استاد

استاذ العلماء جلالۃ العلم، حافظ ملت شاہ عبدالعزیز مرادآبادی علیہ الرحمۃ کی زندگی کا سب سے نمایاں جوہر اپنے تلامذہ کی پُرسوز تربیت اوران کی شخصیت کی تعمیر ہے۔اپنے اس وصف خاص میں وہ اتنے منفرد ہیں کہ دور دور تک کوئی ان کا شریک نظر نہیں آتا۔

بلاشبہ حضور حافظ ملت شخصیت سازی کے حق کے امام تھے۔

تاج محل کی تعمیر آسان ہے لیکن شخصیتوں کی تعمیر کا کام بہت مشکل ہے۔

حافظِ ملت علیہ الرحمۃ کواس کام سے عشق کی حد تک تعلق تھا۔سفر میں' حضر میں' حلقۂ درس میں' مجلسِ خاص میں' جلسۂ عام میں' کہیں بھی وہ ایک لمحے کیلئے اپنے فریضۂ عشق سے غافل نہیں رہتے تھے۔

شخصیت سازی کیلئے کسی معلم و مصلح میں ان پانچ اوصاف کا ہونا ضروری ہے۔

(۱) شفقت (۲) ذہانت (۳) تدّبر (٤) علم (٥) تقویٰ۔

حقائق وواقعات شاہد ہیں کہ یہ پانچوں اوصاف حافظ ملت علیہ الرحمۃ کی زندگی میں اُبھرے ہوئے نقوش کی طرح نمایاں تھے۔

والدین کا تعلق اولاد کے ساتھ جسمانی ہے اس لئے ان کی شفقت اولاد کے ساتھ فطری ہوتی ہے۔استاد کا رشتہ اپنے تلامذہ کیساتھ علمی وروحانی ہوتا ہے۔اس لئے مخلص ومہربان استاد اپنے تلامذہ کوعلم وہدایت کی انتہائی بلندیوں پر فائز کرنے کیلئے اپنے خونِ جگر سے ان کی تربیت کرتا ہے۔سیّدی واستاذی حضرت حافظ ملت قدس سرہٗ العزیز اپنے تلامذہ پر کرم بالائے کرم تھے، جہاں تک شفقت کا تعلق ہے وہ اپنے تلامذہ پر باپ سے بھی زیادہ شفیق تھے۔باپ کی محبت بھی اپنے چند بیٹوں کے درمیان کبھی کبھی غیر توازن ہوجاتی ہے یہاں تک کہ باپ کے خلاف بعض اولاد کو امتیازی سلوک کا شکوہ ہونے لگتا ہے۔لیکن اپنے ہزاروں تلامذہ کیساتھ حافظ ملت علیہ الرحمۃ کا مشفقانہ سلوک اتنا عجیب وغریب تھا کہ ہر شخص اس خیال میں مگن رہتا تھا کہ حضرت مجھی کو سب سے زیادہ چاہتے ہیں۔

اپنے شاگردوں پر حافظ ملت کی شفقت کسی خارجی محرک کا نتیجہ نہیں تھی بلکہ ان کی پاکیزہ سرشت ہی شفقت ومحبت کی خمیر سے تیار ہوئی تھی۔یہی وجہ ہے کہ استاد صرف اپنے ذہین، محنتی اور وفاشناس شاگردوں پر شفیق ہوتا ہے۔لیکن حافظ ملت کی خصوصیت تھی کہ غبی سے غبی، بدھو سے بدھو اور بیگانہ سے بیگانہ شاگرد بھی ان کو اتنا ہی عزیز تھا جتنا ذہین سے ذہین قابل سے قابل اور قریب سے قریب شاگرد۔اور یہ جذبۂ شفقت ومحبت کا ہی اظہار کہیں گے کہ بڑے سے بڑے قصور پر طلبہ کا مدرسے سے نکالنا بہت ہی شاق گزرتا تھا۔فرماتے تھے، مدرسے سے طلبہ کا اِخراج بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی باپ اپنے بیٹے کو عاق کردے یا جسم کے کسی بیمار عضو کو کاٹ کر الگ کردیا جائے۔ایک بار ارشاد فرمایا، نیکو کار اِصلاح پذیر اور اچھے طلبہ کو چاہنا' استاد کا کمال نہیں

بلکہ شاگرد کا کمال ہے کہ اس نے اپنے آپ کو چاہنے کے قابل بنایا، استاد کا کمال تو یہ ہے کہ چاہے جانے کے قابل نہ ہو، اس کی اصلاح کرے، اسے چاہے اور اسے چاہے جانے کے قابل بنادے۔

ایک دن مجلس درس میں فرمایا کہ استاد اپنے شاگردوں کے فکر و ذہن کا معمار اور ان کی سیرت و کردار کا معالج ہوتا ہے اور ایک معالج کی بہترین جگہ بیماروں کا حلقہ ہے۔ تندرستوں کی انجمن نہیں ہے۔ جو معالج بیماروں کا قرب برداشت نہ کرسکے اسے کچھ اور تو کہا جاسکتا ہے لیکن معالج نہیں کہا جاسکتا۔

استاد اور شاگرد کا تعلق عام طور سے حلقۂ درس تک محدود رہتا ہے لیکن اپنے تلامذہ کے ساتھ حافظ ملت علیہ الرحمۃ کے تعلقات کا دائرہ اتنا وسیع تھا کہ پوری درسگاہ ان کے ایک گوشہ میں سماجائے۔

اپنے حلقۂ درس میں داخل ہونے والے طالب علم کی بے شمار ذمہ داریاں اپنے سر لیتے تھے۔ طالب علم درس گاہ میں بیٹھے تو کتاب پڑھائیں۔ باہر رہے تو اخلاق و کردار کی نگرانی کریں۔ مجلس خاص میں شریک ہو تو ایک عالم دین کے محاسن اوصاف سے روشناس فرمائیں۔ بیمار پڑجائے تو نقوش و تعویذات سے اس کا علاج کریں۔ تنگدستی کا شکار ہوجائے تو مالی کفایت فرمائیں۔ پڑھ کر فارغ ہوجائے تو ملازمت دلوائیں۔ ملازمت کے دوران کوئی مشکل پیش آئے تو اس کی بھی عقدہ کشائی فرمائیں۔ طالب علم کی نجی زندگی، شادی بیاہ، دُکھ سکھ سے لے کر خاندان تک کے مسائل میں بھی دخیل ہو۔

اپنے طلبہ کے بارے میں حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ کی ہمیشہ یہ خواہش ہوتی تھی کہ طلباء حصول تعلیم کے ساتھ تبلیغ و اشاعت دین کے نشیب و فراز کو بھی سمجھیں اور زمانۂ طالب علمی میں ہی ان کے اندر حالات سے مقابلہ کرنے کی استعداد پیدا ہوجائے۔ چنانچہ آپ طلباء کو ہمیشہ مصروفِ عمل رکھتے تھے اور جمعرات و جمعہ کو اشرفیہ کے قرب و جوار میں طلبہ کو تبلیغ کیلئے بھیجتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اشرفیہ سے فراغت پانے والے طلبہ میدانِ عمل میں خود کو اجنبی محسوس نہیں کرتے بلکہ جہاں بھی جاتے تھے ان کو کام کرنے کا ایک ماحول مل جاتا تھا اگر شاگرد عملی زندگی میں کہیں پریشان ہوتے اُٹھتے تو حضرت حکیمانہ انداز میں اس کا علاج فرماتے۔ اس بارے میں مولانا قمر الزمان اعظمی کا کہنا یہ ہے کہ جامعہ اسلامیہ فیض آباد سے میں نے حضرت کی خدمت میں یہ مفروضہ پیش کیا کہ حضور جامعہ مالی انحطاط کا شکار ہے اور میں خود اپنے اندر یہ ہمت نہیں پاتا کہ قوم کے سامنے دست سوال دراز کروں۔ حضور حافظ ملت نے جو جواب عطا فرمایا وہ بے شمار افراد کیلئے کارآمد ہے۔ ارشاد فرمایا، تمام بلندیاں فدائیان مصطفی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے نیچے ہیں۔ خود رحمت عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے بعض مواقع پر صحابہ سے طلب فرمایا ہے۔ قوم سے قوم کیلئے ہی طلب کرنا نہ عزت نفس کے خلاف ہے اور نہ ہی وجہ شرم ہے۔ ہاں اپنی عزت کیلئے قوم کے سامنے دست سوال دراز کرنا یقیناً باعث ننگ و عار ہے۔ خدا اس سے جملہ خادمان متین کو محفوظ رکھے۔ آمین بجاہ حبیب سید المرسلین صلی اللہ تعالی علیہ وسلم

حضور حافظِ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تعلیم کے ساتھ ساتھ طلباء کی اخلاقی، روحانی اور فکری تربیت پر بھی اپنی توجہات مرکوز رکھیں اور طلبہ کے ذہن سے یہ اوجھل نہ ہونے دیا کہ ان کی تعلیم کا کیا مقصد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہزار موانع کے باوجود ان کے طلبہ دین کی خدمات ضرور کرتے تھے۔ حضرت حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے طلبہ کیلئے صرف ایک استاد ہی نہیں تھے بلکہ زندگی کے ہر موڑ پر انکی رہنمائی اور ہر طرح کی اِمداد فرمایا کرتے تھے۔ طالب علموں کی مالی مدد بھی فرماتے۔ کتنوں کا اپنی جیب سے خرچ برداشت کرتے ۔ مولانا عبدالغفور صاحب کا بیان ہے کہ میری پچیس سال کی عمر ہوگئی تھی۔ مجھے نہایت کریمانہ شفقت سے علم دین کے حصول کیلئے فرمایا، میرے دورِ طالب علمی میں میرے سارے مصارف خود برداشت کرتے، حتیٰ کہ جیسا کپڑا خود پہنتے ویسا مجھے بنوا کر دیتے۔

حضرت اپنے طالب علموں کے فارغ ہونے کے بعد میدانِ عمل کا بھی انتخاب فرمایا کرتے تھے اور میدان عمل کے نشیب و فراز میں بھی شفقت فرماتے تھے۔ حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے طلبہ کے اندر احساس برتری پیدا فرمایا۔ قوم کے اندر غلامانِ رسول کی حیثیت سے ان کا تعارف کروایا اور عوام کو ترغیب دلائی کہ وہ طلبہ کا احترام کریں۔ چنانچہ مبارک پور کے عوام طلبہ کا بہت احترام کرتے تھے۔ حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے طلبہ کو اپنے بچوں سے زیادہ عزیز تصور فرمایا اور طلبہ کو اتنی محبت عطا فرمائی کہ وہ اپنے حقیقی والدین کی محبت ان کی عنایتوں پر قربان کردیں۔ اپنے شاگردوں کو مولانا کہہ کر یاد فرماتے تھے۔ شفقتوں اور ہمدردیوں کی پوری فراوانی کیساتھ طلباء کی خوبیوں کی پرورش کرنا آپ کا کمال تھا۔ کسی کو تدریس میں دلچسپی لیتے دیکھتے تو اس کا رُخ اسی طرف موڑ دیتے۔ کسی کو تبلیغ وارشاد کا اہل سمجھا تو اس کو ماحول میں پروان چڑھنے کی راہیں عطا کیں جس ذہن کو جس نقش کے لائق سمجھا وہی نقش فراہم کیا۔

طالب علم زیرِ درس رہے یا فارغ ہوکر باہر چلا جائے ایک شفیق باپ کی طرح ہر حال میں سرپرست اور کفیل رہے۔

اس طرح کی ہمہ گیر اور ہم وقتی شفقت ایک باپ سے تو ضرور متوقع ہے لیکن آج کی دُنیا میں ایک استاد سے ہرگز متوقع نہیں ہے۔

یہی وہ جوہر منفرد ہے جس نے حافظِ ملت کو اپنے معاصرین کے درمیان ایک معمارِ زندگی کی حیثیت سے ممتاز و نمایاں کردیا تھا۔

حافظِ ملت علیہ الرحمۃ اپنے دور کے ایک بے مثل شفیق استاد تھے اور اپنے محاسن میں ایک منفرد معلم بھی تھے اور ایک منفرد مُربّی اور اس کے ساتھ ایک منفرد مرشد بھی تھے۔ بلاشبہ یہ سارا کمال حافظ ملت علیہ الرحمۃ کے استاد حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے ایسا نادر الوجود شاگرد انہوں نے پیدا کیا۔ جب تک آسمانوں پر ستاروں کی قندیلیں روشن ہیں، خدائے حیّ و قیّوم استاد شاگرد دونوں کی تربتوں پر رحمت وانوار کے بادل برسائے۔ آمین

آپ نے اپنے تلامذہ میں ایسی روح پیدا کی اور ایسی استعداد بخشی کہ وہ متعدد میدانوں میں نمایاں حیثیت سے خدمت علم ودین انجام دے سکیں۔

تفسیر وحدیث کے ماہر علماء بھی آپ کے دانش کدے پر پیاسے ہوئے جو مسند وتدریس کی آبرو وقار ہیں اور فقہ واُفتاء کے ممتاز افراد بھی آپ کی درسگاہ علم وفضل سے اُٹھے اور انہوں نے جدید وقدیم مسائل کا حل شریعت اسلامیہ کی روشنی میں قوم وملت کو بتایا اور مسائل واحکام میں قوم کی ہر طرح سے رہنمائی کی۔ آپ کے تلامذہ میں منطق ودفلسفہ (جسے درسِ نظامی) کی جان کہا جاتا ہے۔ اس فن علم میں بھی نمایاں اور ممتاز کردار ہے یہ حضرات جن درسگاہوں کی زینت بنے وہاں ان علماء نے بڑی ٹھوس اور مستحکم خدمتیں انجام دی ہیں۔

آپ کے مشہور تلامذہ میں خطباء ومقررین بھی پیدا ہوئے اور ان کی خطیبانہ صلاحیتوں سے ہندو پاک کے بیشمار علاقے مستفیض ہوئے اور بیرونِ ملک بھی اپنا لوہا منوایا۔

طلباء جب فارغ التحصیل ہوکر اپنے گھر جاتے یا کہیں دینی خدمت پر مامور ہوجاتے، تو حضرت کے پاس رُخصت ہونے کیلئے جاتے تھے۔ حضرت انہیں اپنے قریب بٹھاتے اور دیر تک کامیابی کا رمز سمجھاتے۔ عملی زندگی سنوارنے کی تنبیہ کرتے اور فرماتے کہ دیکھو انسان کی عروج وزوال میں خود اپنا فعل ہوتا ہے۔ مولانا سیّد رکن الدین کہتے ہیں کہ ۱۱ شعبان المعظم ۱۳۸۶ کی صبح کو میں روتے ہوئے حضور حافظ ملت کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ حضرت نے مجھے قریب بٹھایا اور فرمایا، سیّد صاحب رات کی دستار بندی کے بعد سے آپ کی زندگی کا دوسرا دَور شروع ہوگیا ہے اور اب آپ گھر سے باہر تک دوسری نگاہ سے دیکھے جائیں گے۔ کتاب میں پڑھ کر نہیں چالیس سالہ تجربات کی روشنی میں کہہ رہا ہوں کہ اگر آدمی کے اندر دو چیزیں پیدا ہوجائیں تو انسان کیا قدموں کے نیچے کی کنکریاں بھی اس کا احترام کریں گی۔ ایک اخلاق اور دوسرا استقلال ہے۔ جیسا کہ حضور حافظ ملت کی ذات ان دو خوبیوں کی جامع تھی۔ اخلاق ایسا تھا کہ ہر شخص سمجھتا کہ حضرت کا سب سے زیادہ نوازنا مجھی پر ہے اور استقلال کا کیا پوچھنا۔ جوانی بیتی، بڑھاپا گزرا اور اب مبارک پور کی دھرتی پر عزیزی قبر کا گنبد پکار رہا ہے ؎

مجھے دیکھو میں بیٹھا ہوں مجسم داستاں ہوکر

حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ روزمرہ کی زندگی کے آئینہ میں

حضور حافظِ ملت مولانا عزیز احمد قدس سرہٗ کی گھریلو زندگی انتہائی سادہ ، شستہ اور پُرسکون ہوا کرتی تھی۔ نہ سامانِ تعیش، نہ اہتمام و زیبائش، معمولی زادِ رہائش میں ہر چیز معمولی نظر آتی تھی۔ ایک بکس میں چند جوڑے کپڑوں چادروں اور چند برتنوں کے علاوہ کچھ نہ ہوتا تھا۔

گھر کے ذاتی اُمور زیادہ تر خود ہی اپنے ہاتھوں سے انجام دیا کرتے تھے۔ طلباء کرام سے بہت کم کوئی کام لیا کرتے تھے۔ کسی مہمان کی آمد پر کبھی بھی چائے ناشتہ وغیرہ منگوالیا کرتے تھے۔ بعض اوقات اپنے کپڑے خود ہی دھولیا کرتے تھے یا پھر دھوبی سے دھلوایا کرتے تھے۔ روزانہ غسل کرنے کی عادت سے پرہیز فرماتے تھے اور غسل کے دوران بہت کم پانی استعمال کیا کرتے تھے۔ صابن وغیرہ سے کوئی دلچسپی نہ رکھتے تھے۔

طبیعت ناساز ہونے پر احتیاط ضروری سمجھتے تھے۔ آپ کا تجربہ تھا کہ آمدِ بخار پر پیٹ کو بالکل خالی چھوڑ دیا جائے اِن شاءَ اللہ بہت جلد آرام مل جائے گا۔

حافظِ ملت علیہ الرحمۃ بخار، کھانسی یا کسی بھی دوسرے مرض میں مبتلا ہونے پر انگریزی دعاؤں سے قطعی پرہیز فرماتے۔ ہمیشہ حکیمی دوائیں استعمال کرتے۔ اسی طرح حضرت حافظِ ملت تصویر کشی کے معاملے میں بالکل مُبرّا رہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بھی تصویر موجود نہیں، حتیٰ کہ حج بیت اللہ بھی بغیر تصویر کے میسر آیا۔

حافظِ ملت علیہ الرحمۃ جب اپنی پسند کی کوئی چیز پکاتے یا کوئی عقیدت مند پیش کرتا تو اس میں سے مختصراً نکال کر باقی سب طالب علموں میں تقسیم فرما دیتے۔ بطورِ تبرک ایسی نعمت جب بھی ہاتھ آتی طلباء میں بے پناہ خوشیاں جاگ جاتیں۔ ہر طالب علم یہی کہتا، میں اتنی دُور رہ کر بھی اپنے والدین کی شفقت سے محروم نہیں ہوں۔

ان کی رہائش گاہ میں دیکھیں تو وہ ہمیشہ چار حالتوں میں ہی ملتے یا تو مطالعۂ کتب فرماتے ہوئے یا نماز وظائف پڑھتے یا تعویذات و خطوط لکھتے ہوئے یا پھر کسی شخص سے تبادلۂ خیال کرتے ہوئے۔ اگر ان صورتوں میں ضرورت مہیا ہو جاتی تھی تو پھر چارپائی پر دراز ہو جایا کرتے تھے۔ چند طلبہ حاضر باش کے نزدیک یہ موقع بہت خوشگوار ہوا کرتا تھا۔

سر میں تیل ڈالنا حافظِ ملت کی ایک مخصوص عادت بن گئی مگر انہیں خود یہ زحمت اُٹھانے کی کم ہی مہلت مل پاتی تھی، کوئی نہ کوئی طالبِ علم حاضر ہو کر ضرور سر میں تیل ڈال دیا کرتا تھا۔ یہی روز کا معمول تھا اور ہر طالب علم ایسے موقع کا شدت سے انتظار کرتا تھا مگر یہ وقت بھی ضائع نہ ہوتا بلکہ بسا اوقات کسی نہ کسی علمی موضوع پر ہی گفتگو رہتی، کبھی حضرت خود ہی کوئی مفید عنوان چھیڑ دیتے اور افادہ فرماتے رہتے۔

حضور حافظِ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے ابتدائی دَور میں عصر کے وقت تفریح کے عادی ضرور تھے مگر یہ تفریح کا وقت بھی صرف ہواخوری کیلئے نہ تھا بلکہ عالم یہ ہوتا تھا کہ طلبہ کی جماعت آپ کے ہمراہ ہوتی۔طلبہ آپ سے علمی سوال کرتے جاتے اور آپ ان سوالات کے جوابات دیتے جاتے تھے۔عشاء کی نماز کے بعد کتابوں کا مطالعہ کرتے۔نصف رات تک باہر نکل کر پرانے مدرسے میں مقیم طلبہ کی دیکھ بھال کرتے رہتے کہ وہ مطالعہ میں مصروف ہیں یا نہیں۔اگر کہیں تقریر کیلئے تشریف لے جاتے تو ممکن ہوتا تو رات کو ہی ورنہ فجر کے بعد وہاں سے چل دیتے اور سیدھے مدرسے پہنچ جاتے اور فوراً درس شروع کرادیتے۔

عید الاضحیٰ کے دن بہت سے طالبِ علم اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے اور بہت سے طالب علم عید جامعہ ہی میں مناتے۔ عید الاضحیٰ کے روز حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ کا یہ معمول بھی انتہائی مشفقانہ تھا کہ موجودہ تمام طالبِ علموں کو دعوت دے کر خود ان کی ضیافت فرماتے تھے اور چاروں طرف ٹہل ٹہل کر کھانے پلانے کا کام خود انجام دیا کرتے تھے۔ چیزیں ختم ہونے کے موقع پر دوبارہ بھر دینے کی کوشش کرتے۔اس ضیافتی سرگرمی میں حضرت طلبہ سے کوئی کام نہ لیتے۔سرپرستی کا ایک نمایاں انداز یہ بھی تھا کہ حافظ ملت علیہ الرحمۃ عید کے دن تمام طلبہ میں ایک روپیہ بھی تقسیم فرمایا کرتے تھے تاکہ طلبہ کے ذہن اس معمول کی یاد سے پریشان نہ ہوسکیں جسے ان کے والدین نبھائے رکھتے تھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حافظِ ملت کی یہ طلبہ نوازی' خلوص ومحبت اور حُسنِ اخلاق ان کی روزمرہ زندگی کا حصہ تھا۔

الغرض حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ کے گوشۂ تنہائی میں جمال وکمال اور قوتِ برداشت کی ایک دنیا آباد تھی۔احتیاط و پاکیزگی آپ کی عادتِ کریمہ تھی۔قربت سے روزانہ فیضیاب ہونے والا بھی دہلیز پر قدم رکھنے سے پہلے ایک بار کانپ جاتا تھا جس کا رُعب ودبدبہ کبھی ضائع نہ ہونے پایا۔

حضرت کی انکساری وعجز ونوازی کا یہ عالم تھا کہ کسی قابل قدر اور معزز شخصیت کی آمد پر خود گھر کو سنوارتے، جھاڑو لگاتے جبکہ یہ کام کوئی بھی طالب علم انجام دے سکتا تھا۔سب کچھ ہونے کے بعد ہیچ کے تصور نے حضرت کو آسمان کی بلندیوں اور وسعتوں تک پہنچادیا۔

حضور حافظِ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کم سخن تھے لیکن جب بات کرتے تو نہایت سنجیدہ اور نپی تلی، فضول باتوں میں وقت گزاری کرنے کی مطلق عادت نہ تھی۔ مجلس میں لوگوں سے گفتگو کو دوران وقفہ یا اس کے بعد کے وقتوں میں ہمیشہ قرآن کریم کی تلاوت کرتے۔ اپنے ہر ملنے والے سے اس خندہ پیشانی سے ملتے کہ اس کو یہ گمان ہونے لگتا کہ حافظ ملت مجھ سے زیادہ کسی کو نہیں چاہتے۔ سفر ہو کہ حضر' آپ کے معمولات میں کوئی فرق نہ آتا تھا۔ وہ تہجد کی نماز ہمیشہ پڑھتے تھے۔ اکثر دُور دراز کا سفر طے کر کے پہنچتے اور ڈیڑھ دو بجے جلسہ ختم ہونے کے بعد بستر استراحت پر جاتے اور اسکے بعد تین بجے مصلے پر کھڑے ہو جاتے۔ وعدے کے ایسے پابند کہ بخار کی حالت میں بھی سفر سے گریز نہ کرتے۔ حضرت اپنے محلّہ کی مسجد میں پابندیٔ وقت کے ساتھ با جماعت نماز پڑھتے تھے۔ ہر کام میں وقت کی پابندی ملحوظ رکھتے تھے۔ صبح وقت سے پہلے مدرسہ پہنچ جاتے تھے۔ تعلیم کے پورے وقت میں اپنی ذمہ داری کو حسن وخوبی سے ادا کرتے تھے۔ چھٹی کے بعد قیام گاہ پر کھانا کھا کر قیلولہ کرتے تھے۔ ظہر تا مقررہ وقت پر ہر حال میں اُٹھ جاتے اور باجماعت نماز ادا کرنے کے بعد اگر دوسرے وقت کا مدرسہ ہوتا تو مدرسے چلے جاتے' ورنہ کتابوں کے مطالعہ یا فارغ وقت میں کسی کتاب کا درس دینے یا حاجتمندوں کیلئے تعویذ وغیرہ میں وقت صَرف کرتے۔ شروع زمانہ میں عصر کی نماز کے بعد تفریح کیلئے آبادی سے باہر تشریف لے جاتے تھے۔ علی نگر کے قبرستان سے گزرتے ہوئے اکثر سڑک پر کھڑے ہو کر قبروں پر فاتحہ پڑھتے۔ فاتحہ پڑھنے میں بھی اکثر عام مسلمانوں کی خیر خواہی مدِ نظر ہوتی۔ اس لئے کسی ایک قبر پر کھڑے فاتحہ نہیں پڑھتے بلکہ سڑک کے کنارے کھڑے ہو کر پڑھتے۔

حضور حافظ ملّت علیہ الرحمۃ بطور مہمان نواز

حضور حافظِ ملت علیہ الرحمۃ جس طرح ایک باکمال اُستاد اور مشفق معلم اور مدرس تھے' اس سے بڑھ کر ایک اچھے میزبان تھے۔ بارہا سینکڑوں بلکہ ہزاروں افراد کو حافظِ ملت کی قیام گاہ پر مدرسۂ قدیم میں حاضری کا شرف حاصل ہوا ہوگا۔ وہاں جانے والوں کیلئے حضور خود بنفس نفیس چولہا جلاتے' چائے بناتے اور بصد اصرار پلاتے اور اگر گرمی کا موسم ہوتا تو شربت کا اہتمام کرتے، چاہے یہ حاضر ہونے والا اپنا مرید وشاگرد ہی کیوں نہ ہو اور کمال تو یہ ہے کہ مہمانانِ گرامی اگر ان کے کام میں ہاتھ بٹاتا یا کوئی خدمت کرنا چاہتا تو ہرگز گوارا نہ فرماتے۔

مولوی عبدالحلیم صاحب بھیروی کے والد عبدالشکور صاحب جو حضرت کے مرید تھے، ایک بار حاضر خدمت ہوئے۔ چاہا کہ پنکھا جھیلیں گوارا نہ کیا اور آپ نے فرمایا، آپ مہمان ہیں۔

بقر عید پر حضرت علیہ الرحمۃ بعد نماز تمام طلبہ کی دعوت کرتے' سویاں، چائے اور بسکٹ سے ضیافت فرماتے پھر سب کو عیدی دے کر واپس کرتے۔ خاص طور پر بقر عید کے روز تمام طلبہ کے آگے پیالیاں اور ماحضر پہنچاتے اگر کوئی چاہتا کہ وہ یہ سعادت حاصل کرے تو فرماتے، میں میزبان ہوں۔ ان الفاظ سے پھر ایسی ہیبت طاری ہوتی کہ مقابل پھر کچھ بول نہ سکتا۔

امام مالک علیہ الرحمۃ کے پاس حضرت امام شافعی تحصیل علم کیلئے حاضر ہوئے۔ انہوں نے امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو بطورِ مہمان رکھا اور بحیثیت میزبان خود ان کی خدمات انجام دیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں، میں اس وقت سخت شرمندہ ہوا، جب حضرت امام علیہ الرحمۃ نے نماز فجر کے وقت اپنے ہاتھوں سے وضو کا پانی پیش کیا۔

مگر حافظ ملت علیہ الرحمۃ کے یہاں بارہ سو برس بعد اس کا عملی نمونہ مشاہدہ نظر آتا ہے۔ یہ ہے سنتِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اسلاف کرام کے اسوۂ حسنہ کی پیروی۔

اعزاء واقرباء واحباب ورفقاء کے ساتھ تو کسی حد تک بعض لوگ اس کی پابندی کرلیتے ہوں مگر ان مریدین وتلامذہ کی خدمت جو سامنے زانوئے ادب کرنے کے عادی اور دست بوسی، قدم بوسی، اکرام وتعظیم کے مشتاق ہوتے ہیں انتہائی نادر بلکہ نایاب ہیں اور زیادہ مشکل اس کا التزام ودوام ہے۔ دو چار بار دس بیس آدمیوں کے ساتھ کوئی شخص چاہے تو ایسا کرسکتا ہے مگر پوری زندگی عمل درآمد...... یہی ہے حافظِ ملت علیہ الرحمۃ کا وہ نمایاں اور مرکزی کردار جس کی نظیر ڈھونڈنے سے نہیں ملتی۔

حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ کی تدریسی صلاحیتیں

حضور حافظِ ملت رحمۃ اللہ علیہ جب تدریس کیلئے بیٹھتے تو بھی اپنے شاگردوں کی نفسیات کا خیال رکھتے۔ چنانچہ کتاب کو سامنے رکھ کر ایسی تقریر فرماتے جو موضوع کی تمام جزئیات اور کتاب کی عبارت کو حاوی ہوتی تھی اور طلبہ کی ذہنوں میں علم کا ایک خزانہ منتقل کردیتی تھی۔ آپ کے اس طریقۂ تدریس نے طلبہ کو مطالعہ کا پابند بنادیا تھا۔ حضرت ان طلبہ کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ جواپنے مطالعہ کی روشنی میں آپ سے سوالات کرتے تھے۔ جب کوئی طالبِ علم آپ سے سوال کرتا تھا تو آپ کے چہرے پر مسرت کے آثار نمایاں ہوجاتے اور ایسے جوابات عطا فرماتے جس میں اُس کی خوابیدہ ذہنی صلاحیتیں بیدا رہوجائیں۔

کبھی کبھی ارشاد فرمایا کرتے تھے، سوالات ذہن بیدار کی علامت ہیں۔

آپ کی تدریس کی یہی خصوصیت تھی جس کی وجہ سے آپ کے شاگرد جرأت مند، باوقار اور پر اعتماد ہوتے تھے۔

شمس العلماء حضرت مولانا نظام الدین اولیاء الہ آبادی نے فرمایا، حافظ ملت یوں تو تمام علو م مروّجہ کی تمام کتابوں کو ہی پڑھانے کا ملکہ رکھتے ہیں مگر فن تفسیر وحدیث میں ان کو کاملیت حاصل ہے۔

محدث اعظم کچھوچھوی کے استاد قائم صاحب فرنگی محلی سے ایک طالب علم مولوی عبدالسبحان ایک ذہین طالب علم معقولات پڑھ کر مبارک پور بھی ذوق لے آئے۔

حضرت دقیق سے دقیق مسئلے کی ایسی تفہیم فرماتے کہ مولوی صاحب کبھی کبھی خوش و مسرت کھڑے ہوجاتے اور کہتے آج یہ مسئلہ سمجھ میں آیا ہے۔

اشرفیہ میں آپ کی تشریف آوری کے بعد مبارک پور مرجع طلباء بن گیا۔ پھر دور سے شائقین علم کھنچ کر یہاں آنے لگے۔ مستوفیض عام سے ایک مولوی صاحب جائزہ لینے کی نیت سے آئے۔ تین روز حضرت کے درس میں شرکت کی اور تیسرے روز جاتے ہوئے طلباء سے کہا، میں نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ طلباء یہاں مبارک پور کیوں کھنچے چلے آرہے ہیں۔ یقیناً آنا ہی چاہیے پیاس تو یہیں بجھتی ہے۔ حافظ ملت کے بریلی تشریف لانے کے بعد ۱۳۲۵ھ میں حافظ ملت سے سورہ پڑھی بہت سے مقامات پر درس سے متاثر ہوئے اور کہہ اُٹھے، آج نفس مضمون آشکار ہوگیا۔

معقولات ومنقولات میں نہ صرف درس کامل حاصل تھا بلکہ دقیق سے دقیق مسئلہ طلباء کے ذہن میں اُتار دیتے۔ حضرت کے تلامذہ میں یہ قابلیت نظر آتی تھی۔ چنانچہ ۱۳۸۰ھ میں علامہ قاضی شمس الدین صاحب دارالعلوم اشرفیہ کے سالانہ امتحان میں ممتحن کی حیثیت سے تشریف لائے۔ انہوں نے قاضی پڑھنے والے طلباء کی جماعت کا امتحان لیا۔ تو رزلٹ بک پر یہ تحریر فرمایا کہ ایسے طالب علم مجھے پچیس سال بعد ملے۔

حافظ ملت نے دیکھا تو فرمایا، حضرت میں نے پچیس سال بعد قاضی پڑھائی بھی ہے۔

حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے طریقۂ درس اپنے استاذ حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ کے طرز پر رکھا۔ درسی تقریریں نہایت مختصر اور جامع ہوتیں۔ خاص کر فنی کتابوں میں ایک مختصر، مفہم تقریر عبارت پر منطبق فرماتے۔ اعتراضات بغور سنتے اور ہر اعتراض کا مدلل و محقق جواب عطا فرماتے۔ تدریس کا کمال یہ نہیں کہ اونچی شرح کی روشنی میں کتاب سمجھائی جائے بلکہ تدریس کا کمال یہ ہے کہ جو کتاب سامنے ہے اس کتاب کی حیثیت سے اس کتاب کی تفہیم کرائی جائے۔

جلالۃ العلم، استاذ الاساتذہ حضرت عبدالعزیز حافظِ ملت علیہ الرحمہ کو درس نظامیہ کی اہم اور مشکل کتابوں کو برجستہ پڑھانے کی پوری قدرت حاصل تھی۔

دو فن ہیں جن سے آدمی قابل ہوجاتا ہے ایک منطق اور دوسرا فن اصول فقہ۔ حضور حافظِ ملت کا پایہ علم کس قدر بلند تھا اس واقعہ سے معلوم کیا جاسکتا ہے۔

درسِ نظامی کی فن منطق کی سب سے اہم اور مشکل کتاب **قاضی مبارک** کا درس ہورہا تھا۔ جماعت میں ذہین وذکی اور محنتی طلبہ شریک تھے۔ عبارت جس مقدار میں پڑھائی گئی تھی، حضرت استاذ العلماء قبلہ نے ترجمہ اور تشریح کے بعد کتاب بند ہی تھی ایک طالب نے اپنے ساتھی کو اشارہ کیا، حضرت کا مطالعہ یہیں ختم ہوگیا ہے۔ دورانِ تدریس نگاہیں نیچی رکھنے کے باوجود حضرت (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) متعلمین کی نقل وحرکت سے آگاہ ہوجاتے' جیسے ہی اشارہ محسوس کیا، کتاب کھول دی ارشاد فرمایا اور پڑھو۔ ایک صفحہ عبارت پڑھی گئی حضور استاذ العلماء نے اسی شان سے درس دیا۔ پھر فرمایا، عبدالعزیز کو قاضی پڑھانے کیلئے مطالعہ کی حاجت نہیں' بفضلہٖ تعالیٰ ایک ہی نشست میں پوری کتاب پڑھا سکتا ہوں۔

حضور حافظِ ملت ایک زبردست معلم تھے۔ بڑا مستعد بنانے والا ذہن رکھتے تھے بلند عزائم کے حامل تھے صلاحیت کے آخری ذرّے کو بھی داؤ پر لگانے کا حوصلہ رکھتے تھے آپ نے اتنے بڑے کام کی داغ بیل ڈالی کہ نسلیں اس سے لگی لپٹی رہیں گی۔

حافظِ ملت نے پوری زندگی درس وتدریس اور تقریر وتبلیغ کا شغل جاری رکھا۔ مصروفیت بہت زیادہ تھیں، مبارک پور تشریف لائے تو روزانہ تیرہ اسباق پڑھاتے، جس میں سب سے چھوٹا سبق شرح جامی کا تھا۔

اس میں شبہ نہیں کہ حضرت کی جو کچھ بھی تحریریں، مقالے اور خطوط وغیرہ پیش نظر ہیں وہ ان شاءاللہ پردازی کا بہترین نمونہ ہیں اور ان کی مصروفیات سے سبھی اہل تعلق باخبر ہیں ورنہ یقیناً ہمارے لئے عظیم تصنیفی سرمایہ بھی چھوڑ جاتے مگر یہ حقیقت ہے کہ حافظِ ملت نے اگرچہ زیادہ تصانیف نہ چھوڑیں مگر بے شمار مصنفین ضرور پیدا فرمادیے۔

طلبہ کے اندر تحریری ذوق پیدا کرنے میں ہمیشہ انکا زبردست ہاتھ رہا خصوصاً جس طالب علم کے اندر تصنیفی صلاحیتیں اور تحریری ذوق دیکھتے اسے اسی جانب لگادیتے، جس کے باعث حافظِ ملت کے تلامذہ میں اُردو، عربی، فارسی کے جید اہل قلم دیکھے جاسکتے ہیں۔

تقریری مہارت

حضور حافظ ملت کی تقریر تحریر اور گفتگو کی طرح تعلیم بھی حس اور کمال تفہم دونوں کی جامعیت کا بے مثال نمونہ تھی۔ بعض مقامات پر خصوصی بسط اور تفصیلی کام لیتے، اگر چہ اس بسط کے الفاظ اور ان کے معانی کا تناسب دیکھا جائے تو اسے بھی ایجاز ہی سے موسوم کرنا پڑے گا۔

الغرض حضرت کا اناب ہو یا ایجاز بہت جاندار اور باریک تحقیقات کا حامل ہوتا۔ حافظ ملت کے افادی جملے، معانی کثیرہ کا گنجینہ حُسنِ ایجاز کا بہترین نمونہ، فقہی نکتہ نظر اور ان کی نکتہ شناسی کی شاندار مثالیں ہیں۔

حافظ ملت فرماتے ہیں، مجھے دورِ طالب علمی ہی میں تقریر کی پوری مشق ہوگئی تھی اور کسی بھی موضوع پر ایک گھنٹہ تقریر کر سکتا تھا۔ میں نے ایک مرتبہ لوگوں سے کہا، مجھے کوئی موضوع دے دیا جائے۔ دعائے قنوت میری تقریر کا عنوان تجویز کیا، میں نے ایک گھنٹہ برجستہ تقریر کی۔

اس دعائے قنوت میں توکل، ایمان، شکر، کفران نعمت، عبادات، نماز وغیرہ کا مضمون تو ہے ہی مگر میں نے ونخلع ونترک من یفجرک پر خاص روشنی ڈالی۔ بتایا کہ ربّ العالمین کے حضور کھڑے ہو کر روزانہ اقرار کیا جاتا ہے کہ ہم جدا ہوتے ہیں اور اس شخص کو چھوڑتے ہیں جو تیری نافرمانی کرے۔ لیکن اس اقرار کے بعد عمل کہاں تک ہوتا ہے یہ تو ہر فاجر اور خدا کے نافرمان سے قطع تعلق کا اقرار ہے اور کافر و مرتد تو سب سے بڑا فاسق فاجر اور نافرمانِ خدا ہے اس سے تعلق اور دوستی بھلا کیسے صحیح ہوسکتی ہے۔

مدرسہ اور مسجد

حضرت کو مدرسہ اور تدریس سے پوری زندگی شغف رہا۔ بہت سارے مدارس کی بنیاد رکھی، کسی مدرسہ کے جلسۂ تاسیس کی دعوت حتی الامکان ردّ نہ فرماتے اور ایسے اجلاس میں مدرسہ کی اہمیت پر خصوصی تقریر کرتے۔ مسجد اور مدرسہ کی عمومی افادیت کا فرق بیان کرتے ہوئے حضرت سے ہم نے بار بار سنا کہ اس مدرسہ کی تعمیر میں حصہ لینے والا ہر طالب علم اس کارِ خیر کا ثواب پائے گا اور خود اس مدرسہ کے اندر اساتذہ و طلبہ یا دیگر حضرات کے تعلم اور تعلیم اور عمل خیر کا ثواب مزید برآں ہے۔

حضور حافظِ ملّت علیہ الرحمۃ کے مبارک اقوال

حضور حافظ ملت قدس سرہ العزیز کواللہ تعالیٰ نے بے شمار علمی عملی، اخلاقی وروحانی درجہ کی خوبیوں سے آراستہ فرمایا تھا' ان ہی خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ تھی کہ آپکی زبان فیض ترجمان سے موقع بہ موقع ایسے کلمات صادر ہوجاتے جوضرب المثل بنانے کے لائق ہیں۔

۱...... اتفاق زندگی ہے اور اختلاف موت ہے

مندرجہ بالا جملہ آپ نے اپنے وعظ وتذکیراور ہدایت وارشاد کی مجالس میں بے شمار مرتبہ ارشاد فرمایا جیسا کہ سامعین بے شمار ہیں اس جملہ کی تشریح خود حافظ ملت علیہ الرحمہ کی زبانی یہ ہے کہ وہ فرماتے ہیں، موت اور زندگی میں کیا فرق ہے؟

مطلب یہ ہے کہ ایک اچھا بھلا آدمی دیکھتے ہی دیکھتے لقمۂ اجل بن گیا وہ تمہارا کتنا ہی عزیز، دل آرام اور قریب ہی کیوں نہ ہو، اب اس لائق نہیں کہ دو دِن بھی اپنے پاس رکھ سکو، اس پر جان چھڑکنے والے بھی جلد از جلد اس کو اپنے سے دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن کبھی تم نے غور کیا ہے کہ آدمی میں مرتی کیا چیز ہے؟ کیا جسم مرتا ہے؟ نہیں کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جسم کا ہر عضو تو ویسے کا ویسا ہے جیسے زندگی میں تھا، نہ کان سے خرابی ہوئی نہ ہی آنکھ میں نقصان آیا نہ ہاتھ پاؤں ٹوٹے نہ ہی دیگر اعضاء میں شکست وریخت ہوئی تو جسم کہاں مرا؟ موت سے جسم میں کون سا تغیر آیا کہ کہا جائے کہ جسم پر موت طاری ہوگئی۔

رہ گئی روح تو روح کے بارے میں مُسلَم ہی نہیں، غیر مسلموں کا بھی عقیدہ ہے کہ روح امر ہے روح زندہ رہتی ہے۔

پس جب آدمی ان دونوں حصوں میں سے کوئی مرا نہیں تو موت کس پر طاری ہوئی؟ بات دراصل یہ ہے کہ جب جسم کیساتھ روح کا تعلق قائم رہتا ہے، آدمی زندہ رہتا ہے یا یوں کہئے کہ روح اور بدن میں اتفاق رہتا ہے تو انسان کی زندگی قائم رہتی ہے اور جب یہ تعلق ٹوٹ جاتا ہے ساتھ چھوٹ جاتا ہے جسم اور روح الگ الگ ہوجاتے ہیں اور دونوں میں اختلاف ہوجاتا ہے، تو لوگ کہتے ہیں آدمی مرگیا، پس کیا حقیقت نہ ہوئی کہ جسم اور روح کا اتفاق زندہ ہے اور اختلاف موت ہے۔

فرماتے ہیں، معلوم ہوا کہ ایک جسم وروح کا اختلاف شخص کی موت ہے۔ افرادِ خانہ کا اختلاف گھر کی موت ہے۔ ایک محلّہ گاؤں یا شہر کا اختلاف اس محلّہ' گاؤں یا شہر یا ملک کی موت ہے۔

یہی حال شہر کا ہے، ملک کا ہے، قوم وملت کا ہے، وہ ملک زندہ ہے جس کے باشندوں میں اتفاق ہے اور وہ ملک جلد ہی ختم ہوجاتے ہیں جس کے باسیوں میں خانہ جنگی ہو۔ وہ قوم زندہ قوم ہے جس کے افراد میں باہم ہمدردی، غم گساری اور اتحادِ آراء و خیال ہے اور وہ قوم زندہ رہ کر مردوں سے بدتر ہے جس کے افراد میں خودغرضی، نفس پرستی اور دوسرے بھائی کی ترقی دیکھ کر بغض وحسد کی آگ میں جلنا پایا جائے۔ نفاق وافتراق کی شناخت اور اتفاق واتحاد کی فضیلت پر آج تک نہ جانے کتنا کہا گیا اور نہ جانے کتنا کچھ کہا جاسکتا ہے۔

۲...... زمین کے اوپر کام قبر میں آرام

حضور حافظ ملت سراپا عملی انسان تھے۔ آپ نے دن رات کے چوبیس گھنٹے میں اتنے کام کیے ہیں کہ سوچ کر ہی آدمی کی عقل حیران رہ جائے۔ اپنے عنفوان شباب میں جب آپ کا قیام وطن میں تھا تو آپ ایک مدرسہ میں ملازمت کرتے تھے، ایک مسجد میں باقاعدہ امامت فرماتے تھے اور گھر کا کام روزانہ اتنا کر لیتے تھے کہ جو لوگ صرف اس دھندے میں لگے ہوئے تھے ان سے زیادہ ہوتا اور ان سب پر روزانہ ایک ختم قرآن عظیم کی تلاوت تھی۔

مبارک پور تشریف لائے تو روزانہ پندرہ سبق پڑھاتے تھے، جس میں سب سے نچلے درجے کی کتاب شرح جامی تھی۔ رات میں ایک دن ناغہ سے ایک ایک بجے تک مناظرہ وتقریر کرتے تھے۔ مخالف کیمپ کی تقریروں کے نوائے پڑھ پڑھ کر اسکے جواب کی تیاری اور مختلف طلبا اور مدرسین کو اسکی تلقین وتدریس کرتے باہر سے آئے ہوئے فتوؤں کے جواب بھی خود ہی دیتے۔

الغرض کام مسلسل کام رات دن کام امتیاز کیے بغیر کام کرنا آپ کا شیوہ تھا، اس صورتِ حال سے گھبرا کران کے ہم عصر ساتھی فرماتے، حضور کبھی تو آرام فرمالیں! تو جواب میں ارشاد فرماتے، زمین کے اوپر کام' زمین کے نیچے آرام۔

ایک شاعر نے اس مضمون کو اس طرح بیان کیا ہے ؎

جاگنا ہو جاگ لے افلاک کے سایہ تلے
حشر تک سویا رہے گا خاک کے سایہ تلے

۳...... اپنی بڑائی بھی ایک موقع پر جائز ھے

درسگاہ میں ایک بار حضرت نے اس مسئلہ سے متعلق فرمایا تھا، مومن عزت اسی وقت حاصل کر سکتا ہے جب اعدائے دین کی تذلیل کرے اور بوقت مقابلہ انہیں حقیر وذلیل ثابت کرے اگر انکے سامنے انکسار وتواضع سے پیش آئے تو اس میں اس کی ذلت ہے۔

حافظِ ملت فرماتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کے مطابق فقیر کو کبھی اپنی بڑائی پسند نہیں آتی، خدا کا فضل ہے، جو کچھ ملا ہے کچھ اپنے کو اس پر غرور وناز نہیں، تکبر اور عُجب بہت ہی مذموم ہے۔ آدمی کسی بھی بلند درجہ پر پہنچ جائے اُسے فخر کرنا نہیں چاہئے۔

لیکن اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے اس کے بعد فرمایا مگر دشمنانِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اعدائے دین کے مقابلے میں کبھی انکساری نہیں برتنا چاہیے، وہاں تو یہ شخص دین حق کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اسے مذہب کو بلند وبرتر ثابت کرتا ہے اور حمایت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ان کی عظمت شان کا اظہار اس کا فریضہ ہوتا ہے۔ وہاں تواضع وانکسار سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوسکتا، اس لئے ان کے مقابلے میں اپنے کو بلند وبالا کہنا جائز اور دین متین کی حمایت ہے۔

٤...... زیر و زبر

گوڈہ ضلع کے ایک جلسہ میں موت العالم موت العالم کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے فرمایا، عالِم اور عالَم میں زیر وزبر کا فرق ہے، مطلب یہ کہ اگر عالِم ہے تو عالَم ہے عالِم نہیں تو عالَم نہیں، بلکہ جب عالِم کی موت ہے تو عالَم زیر وزبر ہو جاتا ہے۔

جوہر شناسی

حضور حافظِ ملت علیہ الرحمۃ کسی مدرسہ میں تعلیم دینے والے صرف معلم ہی نہ تھے، بلکہ حسبِ ضرورت علماء کو مناسب مقامات پر تدریس اور خطابت وغیرہ کی جگہ مقرر کرنے میں بھی پوری کوشش فرماتے تھے۔ اس بارے میں آپ کا نظریہ یہ رہا کہ جگہ کے لحاظ سے آدمی اور آدمی کے لحاظ سے جگہ منتخب کی جائے۔ تقرری کے دور طے کرنے میں آپ کی جوہر شناسی اور تجربات نیز رائے اور مشورہ رہنما ہوتے تھے۔ اسلئے آپ کی درسگاہ کے اکثر علماء بلکہ بعض اوقات تو دورۂ حدیث کی جماعت سے سال پورا ہونے سے قبل ہی طلباء کو بھیجنا پڑتا۔

حافظ ملّت کی آئیڈیل زندگی

شاہراہِ حیات میں اپنی منزل مقرر کرنے کیلئے عقلمند انسان اپنا کوئی نشان مقرر کرتا ہے۔ حضور حافظِ ملت نے اپنا نمونۂ عمل صدرالشریعہ، بدرالطریقہ حضرت مولانا محمد امجد علی قدس سرہ کو بنایا۔ اسلئے کہ صدرالشریعہ کی زندگی خود سنتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی۔

حضور حافظِ ملت فرماتے ہیں، ہم نے صدرالشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے علم کے ساتھ ساتھ عمل بھی لیا، اس لئے کہ ان کا ہر کام سنت کے مطابق ہوتا تھا۔

اس اکتساب علم وعمل نے حافظ ملت کو پھر اسی منصب جلیلہ اور مرتبہ علیا پر فائز المرام کر دیا کہ ایک عظیم طبقہ نے حضرت صدرالشریعہ کی شخصیت کو حافظ ملت سے جانا اور پہچانا۔

اوصاف ذاتی

حضور حافظ ملت مولانا عزیز احمد قدس سرہ کے چہرے میں جاذبیت شب زندہ داری کی نورانیت، خاموشی میں وقار وطمانیت نمایاں پیشانی چمکدار جبّہ ودستار زیب تن فرمالیں لطافت روحانی، پورے پیکر کو نورانی مقام دے دے۔

مقام درس اور مسند ارشاد پر بیٹھیں تو جلالت علمی کا مرجع عام بات چیت سے نرم روی، سنجیدگی اور محبت، الفت کی جھلملاہٹ ملاقاتیوں سے ہمدردانہ انداز میں زیادہ سننے اور کم بولنے کی عادت، مناظرہ اور مباحثہ میں مخالف کی حرکت پر چیتے جیسی نگاہ، شکرے جیسے جھپٹ اور شیروں کی گرج، مبہوت کن جملہ، درس گاہ میں باوقار، محققانہ اندازِ کلام۔ عام نشست و برخاست میں بارِحیا سے نگاہ جھکائے، آگے کو سرحمیدہ مگر مجلس بھر میں نمایاں۔

راستہ چلنے میں نگاہیں نیچی، چلتے وقت جسم آگے کو مائل گویا کسی بلندی سے اتر رہے ہوں، رفتار سیدھی شیر کی طرح، پُرسکون لمبے قدم سے ہمیشہ داہنی طرف چلتے، بات چیت کے دوران کسی بات پر تائید کیلئے سر کو جنبش دیتے اور فرماتے جی ہاں! الفاظ کی ادائیگی میں پوراز ور ہوتا، بہت خوشی میں بھی قہقہہ نہ لگاتے بلکہ سنت کے مطابق دانتوں کی سفیدی نظر آجاتی اور کبھی ہنسی ضبط کرنے میں آنکھیں نمناک ہوجاتیں، گرمی کے موسم میں بھی کسی طرح کی بُو نہ ہوتی' فرماتے، یہ قرآن عظیم کی برکت ہے۔

خیر خواہی

حافظِ ملت کے قلب میں ملت اور افراد کی خیر خواہی کا جذبہ سمندر کی طرح موجود تھا۔ چنانچہ اپنے شاگرد مولانا مبین القادری نورانی کو ایک مکتوب میں فرماتے ہیں، میں آپ کا مخلص خیر خواہ ہوں۔ آپ کو بہتر سے بہتر اور قابل سے قابل تر دیکھنا چاہتا ہوں۔ میرا مقصد یہ ہے کہ سنّی علماء زیادہ سے زیادہ اور قابل سے قابل نیاز ہوں۔ جو دین متین کی نمایاں اور زرین خدمات انجام دیں اسی کیلئے میری تمام تر سعی اور کوشش ہوتی ہے۔

حیاء

حیاء مومنانہ زندگی کا زیور ہے، حافظ ملت علیہ الرحمۃ اس حلّۂ ایمانی سے آراستہ تھے راستہ چلتے تو نظریں نیچی رکھتے۔ فرماتے ہیں، لوگوں کے عیوب نہیں دیکھنا چاہتا۔ اپنے گھر میں بھی ہوتے پھر بھی حیادارانہ انداز ہوتا، بچیاں جب بڑی ہوگئیں تو اپنے گھر میں بڑے احتیاط سے رہتے، ایک مخصوص کمرہ تھا جس میں قیام فرماتے، نکلتے اور جاتے وقت نظریں محتاط رکھتے۔ گھر میں داخل ہوتے وقت چھڑی زور سے زمین پر مارتے تاکہ آواز پیدا ہو اور گھر کے لوگ خبردار ہو جائیں، غیر محرم عورتوں کو کبھی سامنے نہ آنے دیتے، کسی کو داخلِ سلسلہ فرماتے تو اپنے رومال کا ایک حصہ پردے کی اوٹ میں دے دیتے۔

بمبئی میں سیٹھ عبدالحمید صاحب کے مکان میں قیام پذیر تھے، بلڈنگ میں رہنے والی عورتوں نے مشہور کر دیا کہ مولانا صاحب عورتوں سے پردہ کرتے ہیں۔ لوگوں سے یہ بات حضرت تک پہنچی' فرمایا، کیا کیا جائے یہ ایک اچھی چیز ہے، عورتوں نے چھوڑ دیا تو ہم نے اپنا لیا۔

استغناء

حافظ ملت علیہ الرحمۃ کو پروردگارِ عالم نے استغناء کی عظیم دولت سے سرفراز کیا تھا۔ قدم قدم پر اس کی علامتیں ظاہر تھیں۔ آپ کے بھائی جناب حکیم عبدالغفور صاحب کا بیان ہے کہ دورِ طالب علمی میں جب میں مبارک پور میں زیرِ تعلیم تھا تو اس وقت طلبہ اور مدرسین کیلئے مدرسہ سے مٹی کا تیل ملتا تھا اور کھانے کیلئے جاگیر کا انتظام تھا مگر حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ میرے اور اپنے کھانے کا انتظام خود فرماتے اور ارشاد فرماتے، اپنا کھا سکتے ہیں تو جاگیروں کا کیوں کھائیں اور جب ہم اپنا تیل جلا کر مطالعہ کرنے کے لائق ہیں تو مدرسے کا تیل کیوں خرچ کریں۔

حضرت نے کبھی مدرسہ کے تیل کی روشنی میں مطالعہ نہ فرمایا۔ یونہی شروع دورِ تدریس سے آخر حیات تک کبھی اضافی تنخواہ کی درخواست نہ دی۔

سادگی و قناعت

آج تمدن زندگی اورلوازمات زندگی میں بہت تنوع پیدا ہو چکا ہے زندگی کی ضرورتیں بڑھتی جارہی ہیں باوجودیکہ حافظِ ملت عام غریب مسلم ماحول سے لیکراونچی سوسائٹی (بلحاظ زمانہ) کے لوگوں سے تعلق رکھتے تھے اورایسانہیں کہ ان میں کھوکراپناایسا تشخص برقراررکھاہو بلکہ سوسائٹی کی عائد کردہ پابندیوں کے خوگر حافظِ ملت کے دلدادہ بن گئے۔

اندرونِ خانہ آپکی سادگی اورقناعت کا یہ حال کہ آپکی بڑی صاحبزادی جمیلہ خاتون نے شب کے کھانے میں حضرت کے سامنے روٹی رکھی اوردوبارہ لاکردال کا پیالہ رکھ دیا۔روشنی ذُور اورکم تھی۔حضرت نے دال کونہیں دیکھا اورصرف سوکھی روٹی کھا کر پانی پی لیا اوردعامانگنے لگے: الحمد لله الذی اطعمنا و سقانا و جعلنا من المسلمین ۔ آپاجان نے پوچھا،اباجان! آپ نے دال نہیں کھائی۔حضرت نے تعجب سے پوچھا،اچھادال بھی ہے،میں سمجھا آج صرف روٹی ہے۔

حضورحافظ ملت علیہ الرحمۃ کی سادگی اورانکساری کاایک بہت بڑاثبوت یہ بھی ہے کہ مبارک پوریا گردونواح میں دوردورتک کیلئے کبھی سواری کا اہتمام پسند نہ فرمایا۔ جناب حاجی عبدالعلی نے بیان کیا کہ میں ایک بارحضرت کوکھانے کی دعوت دینے گیا۔ ۱۹۷۵ءکی بات ہے۔ وہ کافی بیماراورکمزور تھے۔ میں پیدل ہی حضرت کی قیام گاہ پر گیا تھا۔حضرت نے دعوت منظورفرمائی تو میں نے کہا،حضور وقت پر رکشہ بھیج دوں گا۔آپ عالم ہیں پیدل چل کر جانے میں تکلیف ہوگی۔ حضرت نے فرمایا، حاجی صاحب یہ کیسے ہوسکتا ہے! آپ مجھ سے حج میں بھی مقدم ہیں،عمرمیں بھی مقدم،آپ تو میرے پاس پیدل آئیں اور میں آپ کے پاس سواری سے آؤں۔نہیں میں بھی پیدل ہی آؤں گا۔چنانچہ پیدل تشریف لے گئے۔

حافظ ملّت علیہ الرحمۃ کا حلم اور تواضع

آپ کے اندر قوتِ اخلاق کی بے پناہ کشش تھی، ہر عالم اور عامی ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔

تمام سہولتیں میسر ہوتے ہوئے بھی انکسارِ نفس کا یہ عالم تھا کہ چائے خود اپنے ہاتھ سے بنایا کرتے تھے۔ بوقتِ ضرورت کپڑے بھی سی لیا کرتے تھے۔ اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرنے میں بڑی فرحت محسوس فرماتے تھے۔ طلبہ اور بچوں سے شفقت کا برتاؤ عام تھا۔ بے جا خشونت و سختی اور رُعب داب سے کوسوں دُور رہتے۔ آپ علماء و مشائخ کرام کے ساتھ توقیر و احترام سے پیش آتے۔ ان کی عادلانہ مدح و ستائش کرتے۔

کسی عالم یا شیخ و مُرشد کی عام یا مخصوص مجالس میں کبھی غیبت نہ کرتے۔ اپنوں اور غیروں کے بے جا اعتراضات سن کر اپنی زبان کو محفوظ رکھتے۔ اپنے قلب و نظر کی طہارت و نظافت پر کوئی غبار نہ آنے دیتے۔

مخالفتوں کی پیہم یلغار میں بھی صبر و شکیب اور ضبط و تحمل کا کبھی دامن نہ چھوڑا اور اپنے کسی عمل سے بھی ناشکیبائی کا اظہار نہ کیا۔ مشکل رکاوٹوں کے درپیش آنے پر بھی ایفائے عہد کرنا اپنا فرضِ اوّلین تصور کرتے اور عہد و پیمان کو غفلت کی نذر نہ ہونے دیتے۔ زُہد و استغناء آپ کی گفتگو، لباس اور عادات و اطوار سے عیاں تھے۔ حافظ ملت علیہ الرحمۃ کی خدا آشنائی اُمراء و احکام سے بھی انہیں مُستغنی رکھتی۔

اپنے خالق کو نہ پہچانے تو محتاج ملوک
اور پہچانے تو ہیں تیرے گدا دار اور جم

موٹا جھوٹا کھاتے اور پہنتے، تکلف و تصنع اور ظاہری شان و شوکت رکھ رکھاؤ اور خود نمائی کا کبھی تصور بھی نہ آنے دیا۔ اس کے باوجود اس سادگی پر ہزاروں رعنائیاں قربان تھیں اور دل بے ساختہ کھنچ آتے تھے۔ جو بات کہتے دل سے کہتے اور اس کا اثر یہ ہوتا کہ انہیں آنکھوں سے لگایا جاتا اور دل میں جگہ دی جاتی۔

اپنے عالمانہ وقار پر حرف نہ آنے دیتے۔ سفر و حضر میں شلوار، شیروانی عمامہ اور عصا کا برابر استعمال فرماتے۔ اختلاف موسم کا ان چیزوں کے استعمال پر کوئی اثر نہ پڑتا۔

ظاہری وضع سے عملی تجربہ کا اندازہ نہ ہوگا مگر گفتگو فرماتے تو ایسا محسوس ہوتا گویا ایک سمندر میں تموج پیدا ہوگیا اور اس طرح اپنی خودداری پر بھی آنچ نہ آنے دیتے اور غیرت علم وفضل کا پاس ولحاظ رکھتے، تلاوت قرآن کا اہتمام سفر و حضر میں ہمیشہ رکھتے اور اس سے ایک لمحہ بھی تغافل نہ برتتے۔

فطرت کا سرودِ ازلی اس کے شب و روز
آہنگ میں یکتا صفتِ سورۂ رحمٰن

دوست ہو دشمن جو آپ سے ملتا وہ آپ کے اخلاق کا گہرا نقش لے کر اُٹھتا اپنی وسعت ظرفی وسیر چشمی، کشادہ دلی، خندہ پیشانی کمالِ ادب، شفقت ومحبت جذبۂ خیر خواہی، ہمدردی وخلوص، مہر ومحبت، عجز وانکسار، صبر وضبط، پابندی اوقات کے ساتھ آپ نے ایک بامراد اور باوقار زندگی گزاری۔ نگاہ میں بلندی، سخن میں دلنوازی اور قلب میں گرمی وحرارت تھی، تعمیر جامعہ کے وقت اس کی لو تیز تر ہوگئی جس میں آپ کا پورا وجود تپ کر کندن بن گیا۔

خاکی و نوری نہاد بندۂ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
اس کی اُمیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دل فریب اس کی نگاہ دلنواز

آپ کی تقریر وتدریس کا عام مزاج اور پیغام یہ ہوتا ؎

ہویدا آج اپنے زخم پنہاں کر کے چھوڑوں گا
لہو رو رو کے محفل کو گلستان کر کے چھوڑوں گا
جلانا ہے مجھے ہر شمع دل و سوز پنہاں سے
تیری تاریک راتوں میں اُجالا کر کے چھوڑوں گا

حُبِّ خدا تعالیٰ اور عشقِ مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

سب سے نمایاں صفت کامل جوان کی پوری حیات پر محیط تھی، وہ ہے حبِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حبِ خداوندِ عالم اور وہ پوری دنیا کو اسی نشۂ ایمان میں دیکھنا پسند کرتے تھے۔

ایک مقام پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالتے ہیں، موت اور مؤدت الفت وحقیقت ایک قلبی کیفیت ہے۔ جو حیات انسانی کا محدود اور زندگانی کا مقصد ہے۔ میلانِ قلب پر ہی انسانی حرکات وسکنات کا مدار ہے۔ دل کا رُجحان جس طرح ہوتا ہے سر سے پیر تک تمام اعضاء اسی کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ جس سے محبت ہوتی ہے اس کی ہر ادا اچھی اور ہر بات پیاری معلوم ہوتی ہے اس کے ہر قول وفعل کو اپنانا دلی خواہش اور تمنا ہوتی ہے۔ صرف یہی دیکھنا ہوتا ہے کہ محبوب کی مرضی کیا ہوتی ہے کرشمۂ محبت کا جب اتنا بلند مقام ہے تو اگر قلب مومن میں کسی غیر کی محبت بھی اللہ اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ ہو بلکہ برابر ہو تو مومن کو رضائے الٰہی اور خوشنودی رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاصل کرنا محال ہے حالانکہ سب سے زیادہ اللہ عزّ وجل اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت جاگزیں ہو۔ (معارف حدیث)

عزیزوں، دوستوں کی محبت ہو یا جان ومال کی اُلفت، اگران سب پر حُبِّ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاوی ہے تو یہ واقعی ایمان ہے، قابل مبارک باد ہے اور یہی اللہ عزّ وجل کی سچی اور حقیقی محبت ہے۔ محبتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی محبتِ خدا ہے۔

قل ان کنتم تحبون للہ فاتبعونی یحبکم اللہ میں اس کی تعلیم ہے۔

معیارِ ایمان

حافظِ ملت علیہ الرحمۃ کے نزدیک سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہی وہ معیارِ ایمان ہے، جس پر عقیدہ واعمال کا سرمایہ ملتا ہے۔ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وفادار ہی خالق ومخلوق سب کا وفادار ہے۔ جس نے اس بارگاہ سے غدّاری کی وہ اپنے ربّ کا بھی غدار ہے۔ فرماتے ہیں، ہر چھوٹے بڑے اپنے پرائے حتیٰ کہ اپنی جان ومال عزت وآبروٗ ہر شے سے زیادہ اپنے پیارے رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے محبت ہونی چاہئے۔

اہلِ محلّہ اور پڑوسیوں سے برتاؤ

حضرت اپنے پڑوسیوں، محلّہ داروں اور اپنی مسجد کے متولیوں کا گھر کے افراد کی طرح خیال فرماتے ۔ انکے دُکھ درد، خوشی اور غم میں برابر شریک رہتے، کسی کے بارے میں یہ خبر مل جاتی کہ بیمار ہے تو نماز کے بعد عیادت کیلئے تشریف لے جاتے۔ آپ جاتے تو ساتھ ساتھ نماز پڑھنے والے بھی جاتے۔ کیفیت پوچھتے' دعا کرتے اور مفید علاج کے سلسلہ میں مشورہ بھی دیتے تھے۔ یہ اخلاق صرف محلّہ والوں اور پڑوسیوں کیلئے نہ تھا بلکہ آپ ہر اس شخص کی عیادت کو تشریف لے جاتے جس سے مدرسے یا کسی اور طرح سے آپ کا رابطہ ہوتا۔

محلّہ کی حفاظت کا خیال

تعلیمی کانفرنس کے موقع پر مبارک پور کے لوگوں میں بے پناہ جوش وخروش پایا جارہا تھا ہر چھوٹا بڑا بس یونیورسٹی کی تعمیر کے نشے میں چُور تھا۔ کانفرنس کی تیاری کا سلسلہ تو مہینوں پہلے سے شروع ہو چکا تھا مگر جب وقت قریب آتا گیا تو پھر مصروفیت اور بڑھتی گئی۔ ایک اور حضرت کی مجلس میں یہ بات آئی کہ کانفرنس کے ایام میں جب کہ پوری آبادی کے لوگ یونیورسٹی کے میدان میں ہوں گے قصبہ کی حفاظت اور نگرانی کیلئے کوئی انتظام کرنا ضروری ہے۔ حضرت نے بھی اس کی تائید کی مگر کانفرنس کی مصروفیت کی وجہ سے اس پر کوئی عمل نہ ہوسکا۔ اب وہ وقت آیا کہ کانفرنس سے پہلے والی رات میں تقریباً بارہ بجے ایک شخص حضرت کے مکان سے باہر کی طرف جہاں بہت سے لوگ بیٹھے تھے اس نے کہا، اِتنے وقت مولانا ادھر کہاں جارہے تھے؟ لوگوں نے کہا ادھر تو نہیں آئے۔ اس نے کہا اس طرف تو آئے ہیں۔ بہر حال کچھ معلوم نہ ہوسکا۔ کچھ دیر بعد پھر ایک شخص نے حضرت کو لوٹتے ہوئے دیکھا گویا حفاظت کیلئے حضرت اپنے محلے کا حصار فرمارہے تھے۔

حیوانوں پر شفقت

حضرت کے اندر جہاں مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی کا جذبہ بہت تھا' وہیں حیوانات پر بھی آپ کی شفقت تھی۔ چنانچہ آپ کا معمول تھا کہ کھانا کھانے کے بعد کتے کیلئے روٹی کا ٹکڑا ضرور ڈال دیتے۔ یہی وجہ تھی کہ محلے کے کتے بھی حضرت کو خوب پہچانتے تھے۔ جہاں محلّہ میں داخل ہوئے دُم ہلاتے ہوئے پیچھے پیچھے چل پڑتے۔ اگر مدرسہ کی میٹنگ میں شرکت کے بعد رات کو بارہ ایک یا دو بجے واپسی ہوتی تو اکثر ایسا ہوتا کہ ایک یا دو کتے آپ کے ساتھ چلنے لگتے اور اپنے انداز میں کلیلیں کرتے ہوئے کبھی آگے چلتے پھر دوڑ کر آتے۔ کبھی پیچھے چلنے لگتے۔ اگر کوئی ان کو ہانکتا تو حضرت روک دیتے کہ ایسا نہ کرو۔

یہی حال گھر میں بسی ہوئی چڑیوں کا تھا۔ روٹی باریک باریک کر کے یا ان کے چگنے کے لائق دانے ضرور رکھتے۔ ان کیلئے مٹی کے برتن میں آنگن کے وسط میں پانی رکھا رہتا۔ جیسے ہی آپ گھر میں داخل ہوتے تو چڑیاں شور مچانے لگتیں اور حضرت انہیں دانہ دینے کیلئے پکارتے تو سب کی سب اُتر پڑتیں اور دانہ چگنے لگتیں۔ بعض بچے کبھی کسی کام سے اگر حضرت کے آنگن میں آتے تو چڑیوں کا پیچھا کرتے تو حضرت انہیں منع فرماتے۔ اگر کسی لمبے سفر میں جانا ہوتا تو حضرت اسی لحاظ سے چڑیوں کے دانے کا انتظام فرمایا کرتے تھے۔

آپ کا تعویذ پُر اثر

حضور حافظِ ملت علیہ الرحمۃ کے تعویذ میں وہ اثر انگیزی تھی کہ ہزاروں لوگوں کو فائدہ پہنچا۔ تعویذ لینے والوں کیلئے ویسے تو کوئی وقت مقرر نہ تھا۔ جب موقع دیکھا آگئے یا بلا موقع بھی چلے آئے۔ حضرت درس و تدریس اور دیگر مشاغل سے خالی ہوتے تو اکثر تعویذ لکھتے رہتے اور بہت سے نقوش کے علاوہ پینے کیلئے ایک مخصوص تعویذ تحریر فرماتے تھے۔ جو ہر قسم کی اندرونی خرابیوں کیلئے عموماً اور سحر جادو، صنا، قلب وغیرہ کیلئے مجرب تھا۔ اس تعویذ کی مقبولیت اور پذیرائی کا یہ عالم تھا کہ حضرت کے بہت سے تلامذہ ہر ماہ درجنوں تعویذ منگوایا کرتے تھے اور حاجتمندوں کو تقسیم کیا کرتے تھے۔ یہ تعویذ زعفران سے لکھا جاتا تھا جو ہر ماہ کا ایک خرچ تھا مگر حضرت نے کبھی بھی کسی تعویذ پر کسی سے کوئی معاوضہ نہیں لیا۔ اخیر سالوں میں یہ حال تھا کہ ایک ایک ہفتہ میں کئی کئی سو تعویذ لکھنے پڑتے۔ حضرت اکثر جمعہ کی نماز کے بعد اپنی بیٹھک میں تشریف لاتے اور لوگوں کو تعویذ تقسیم کیا کرتے تھے۔

عبادت سے شغف

حضور حافظِ ملت علیہ الرحمۃ کو عبادت سے شغف اوائل عمر سے ہی تھا۔ حضرت سیّد العلماء مولانا سیّد آل مصطفٰی علیہ الرحمۃ نے سنّی جمعیۃ العلماء کے آفس میں علماء کبار کی موجودگی میں ارشاد فرمایا، میں نے زمانۂ طالب علمی میں اجمیر مقدس کے قیام کے دوران حافظ ملت سے زیادہ کسی کو عابد و زاہد نہیں پایا۔ فرماتے ہیں، ہم لوگ ساتھی ہونے کی حیثیت سے بے تکلف ضرور تھے مگر بے تکلفی میں بھی حد ادب قائم تھی ہم لوگوں کا دل گواہی دیتا تھا کہ حافظ ملت 'ولی' ہیں۔

حضرت نماز سے اس قدر محبت فرماتے تھے کہ سفر و حضر میں ایک نماز کے بعد دوسری نماز کیلئے سراپا اشتیاق و انتظار رہتے تھے۔ فرض نماز تو درکنار کبھی سنن و نوافل بھی آپ کے چھوٹتے نہیں دیکھتے گئے۔ ٹرین میں سفر فرما رہے ہوں یا کسی اور سواری' نماز کا وقت آتے ہی منجاب اللہ کچھ ایسی صورت پیدا ہوتی تھی کہ آپ نماز بخوبی ادا فرما لیتے تھے۔

آنکھوں کے آپریشن کے بعد ڈاکٹر حرکت کی بھی اجازت نہیں دیتے' حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ساری نمازیں قیام و رکوع و سجود کے ساتھ ادا فرماتے رہے۔ کچھ عرصہ آپ پر کئی روز استغراق کی کیفیت طاری رہی مگر اوقاتِ نماز میں آپ عالم محو میں آجاتے اور نماز ادا فرماتے اور پھر وہی کیفیت ہو جاتی۔ بچپن سے آپ تہجد کے پابند تھے چنانچہ بڑی سے بڑی مصروفیات میں بھی تہجد قضا نہ ہوتی۔

سنتوں پر عمل

حضور اپنے ہر عمل میں سنت کا بہت خیال رکھا کرتے تھے اور اکثر و بیشتر مسنون طریقہ پر کام کرنے کے پابند تھے۔ایک بار حضور حافظ ملت کے دائیں پاؤں پر زخم ہوگیا جس پر دوا لگانی تھی، ایک صاحب دوا لیکر پہنچے اور کہا حضرت دوا حاضر ہے۔ سردی کا زمانہ تھا حضرت موزے پہنے ہوئے تھے۔ حضرت نے پہلے بائیں پاؤں کا موزہ اُتارا۔وہ صاحب بولے، حضرت زخم تو دائیں پاؤں میں ہے آپ نے فرمایا، بائیں کا پہلے اُتارنا سنت ہے۔ وضو کرنے کیلئے بیٹھتے تو قبلہ رُخ بیٹھتے۔ حضرت کا پاجامہ کبھی اتنا لمبا نہ دیکھا کہ ٹخنہ چھپ جائے اور نہ ہی غیر ضروری طور پر اونچا کہ پنڈلی کھل جائے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت تکمیل ایمان کیلئے ضروری ہے۔ یہ دعویٰ تو ہر مسلمان کرتا ہے مگر دعویٰ بلا دلیل مقبولِ خرد نہیں۔ دلیل اس دعویٰ کی یہی ہے کہ ادائے حقوقِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں جب کوئی طاقت کوئی قوت مقابل آئے تو اس کو پاش پاش کر دیا جائے، دھجیاں اُڑا دی جائیں جان و مال عزت و آبرو پاس نہ ہو، اپنے آرام و تکلیف و مصیبت کا خیال تک نہ ہو حکم الٰہی اور فرمانِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقابلہ میں کسی کی کوئی پرواہ نہ کی جائے۔

قرآنِ عزیز سے عشق

قرآن مجید سے حافظ ملت علیہ الرحمۃ کو حد درجہ عشق تھا دراصل جس شفیق باپ کے زیر سایہ آپ نے تربیت پائی اور جس ماں کی آغوش میں پروان چڑھے، انہیں بھی قرآن پاک سے انتہائی شغف تھا بلکہ جس گھر میں دَر و دِیوار سے شب و روز قرآنی نغمے اُبلتے تھے آپ نے اس میں پرورش پائی۔ اپنے والد بزرگوار سے حفظ کی تکمیل کے بعد قرآن کی تلاوت سے ایسا شغف ہوگیا تھا کہ ایک ختم قرآن روزانہ معمولِ زندگی بن گیا۔ ایک بار خود فرمایا، پانچ سال تک میں چار کام مسلسل کرتا رہا، گھر کے کام اپنے پڑوسیوں سے زیادہ، آبادی کے مدرسے کی معلّمی، مسجد کی امامت اور ایک ختم قرآن مجید کی تلاوت۔

ایک مرتبہ فرمایا، الحمدللہ! اپنی جوانی کے ایام میں چھ گھنٹے میں پورا قرآن مجید کھڑے ہوکر پڑھتا تھا اور کھانسنے اور ناک صاف کرنے کی حاجت نہ ہوتی۔

تلاوت کا ہی ذوق اخیر دورِ حیات قائم رہا، سفر و حضر، خلوت ہو یا جلوت ہر منزل میں اکثر آپکی زبان تلاوت ہی میں مشغول رہتی۔

حزم و احتیاط

احتیاط آپ کا وطیرہ تھا کوئی کام بغیر غور وفکر کے ہرگز نہ کرتے تھے عقل پر جذبہ نے کبھی غلبہ پایا بلکہ جذبات ہمیشہ عقل سے مسخر رہے یہی وجہ ہے کہ آپ نے کبھی ٹھوکر نہ کھائی۔ یہاں تک کہ مکروفریب کے لبادہ میں آنے والوں کو بھی اپنی فراستِ دینی سے بے نقاب کردیا کرتے، ایک مرتبہ ایک علاقے کے شرپسندوں نے استفسار کیا، شیعوں کی نمازِ جنازہ میں شرکت کیسی ہے؟

حافظِ ملت علیہ الرحمۃ نے جواب دیا، رافضی، وہابی، دیوبندی وغیرہ تمام بدمذہبوں کی نمازِ جنازہ حرام ہے۔

ایک شخص نے پوچھا، حضرت وہابی کے بارے میں سوال تو نہیں کیا گیا تھا۔ اس سے لکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ حضرت نے فرمایا، اپنی تحریر سے بدمذہب کو کبھی فائدہ نہیں پہنچنے دوں گا۔

بعد میں پتا چلا کہ وہ استفسار دیوبندیوں نے کیا تھا کہ اس فتویٰ کے ذریعہ شیعہ اور سنّی کو ٹکرادیں۔

شانِ علم

حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ کے بارے میں حضرت محدث اعظم ہند کچھوچھوی فرماتے تھے کہ ان کی ایک تقریر میں حضرت مولانا عبدالعلیم میرٹھی علیہ الرحمۃ کی دو تقریریں بنتی ہیں۔ گویا حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تقریریں جامع ہوتی تھیں۔ یہی خصوصیت حافظِ ملت علیہ الرحمۃ میں تھی۔

آپ ہر قسم کے سوالات کا سامنا کرتے اور علمی ہمہ گیری کے ساتھ ساتھ حاضر جوابی سے جوابات عنایت فرماتے۔

ایک مرتبہ حافظِ ملت علیہ الرحمۃ، حاجی نصر الدین کی دعوت پر چڑیا کوٹ عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جلسے میں تشریف لے گئے۔ وہاں حضرت کے ارادتمندوں کا وسیع حلقہ تھا۔ ظہر کی نماز کے بعد آپ کچھ پندونصائح فرمارہے تھے۔ مجلس برخاست ہوئی اور چند ہی لوگ رہ گئے۔ اتنے میں چند تبلیغی مولوی حضرت کے حجرے میں آئے۔ سلام' کلام کے بعد ان کے امیر نے کہا

حضرت آج کل لوگ دین سے غافل ہورہے ہیں کوئی اپنی تجارت میں لگا ہوا ہے کوئی کھیتی باڑی میں مشغول ہے کوئی صنعت و حرفت میں منہمک ہے۔ دین کیلئے کوئی کچھ نہیں کررہا ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ لوگ تبلیغ کیلئے نکلیں تاجر کو اپنی تجارت کسان کو اپنی مزدوری کے سوا دین کی فکر نہیں ہوتی۔

اس پر حضرت نے فرمایا، غلط ہے۔ مسلمان چاہے مزدور ہو، تاجر ہو یا کوئی کام کرتا ہوا ایسا ہرگز نہیں کہ ہر مسلمان خدا کی یاد سے غافل ہوتا ہے بلکہ کچھ لوگ ایسے کاروبار میں مشغول ہونے کے باوجود عابد وزاہد ہوتے ہیں۔

مولوی صاحب نے رُخ بدل کر کہا یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے۔ حضرت نے نہایت متانت سے کہا، کہ ہوسکتا نہیں' ہوتا ہے۔ سنو میرا پروردگار فرماتا ہے:

رجال لا تلیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ

وہ ایسے مرد ہیں کہ تجارت اور خرید وفروخت بھی انہیں یادِ الٰہی سے غافل نہیں کرتی۔

مولوی صاحب چپ ہوگئے اور تھوڑی دیر بعد اُٹھ کر چلے گئے۔

محکم گرفت

بحث ومباحثہ میں مخالف پر آپ کی گرفت بڑی سخت ہوتی۔ دلائل کی قوت استدلال کے استحکام کی وجہ سے مخالف کا آپ کی گرفت سے بچ نکلنا انتہائی مشکل ہوتا۔ ایک بار بنارس میں غیر مقلدوں نے حنفی سنیوں پر اعتراض کیا کہ یہ لوگ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتے اور سورۂ فاتحہ پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ حدیث میں ہے لا صلوٰۃ الا الفاتحہ الکتاب اس موضوع پر دونوں جانب سے مہینوں سوال و جواب کا سلسلہ جاری رہا۔ اشتہار بازی بھی ہوئی اور جلسے بھی ہوئے۔ زبردست مذہبی کشیدگی کا ماحول پیدا ہوگیا۔ انہی دنوں مالٹی باغ میں ایک سہ روزہ جلسہ ہوا۔ آخری اجلاس میں حافظ ملت کچھ دیر سے پہنچے۔ مجاہد ملت حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے غیر مقلدوں کے اشتہارات حضرت کے سامنے رکھ دیئے اور کہا جواب دیجئے۔ حافظِ ملت نے فرمایا، میں تو ابھی چلا آ رہا ہوں۔ اشتہارات بھی نہیں دیکھے جواب کیسے دوں؟

بہرحال آخر میں آپ نے تقریر شروع کی، قرآن وحدیث سے اشتہار کرتے ہوئے اپنے مسلک کو اس طرح محکمہ فرمایا کہ سامعین متحیر تھے۔ اس دوران غیر مقلد حضرات پر اعتراضات بھی کرتے جاتے اور بعد میں ایسا مواخذہ کیا جس نے ماحول کی کایا پلٹ دی آپ نے فرمایا، کیا سورۂ فاتحہ کے قارئین بتا سکتے ہیں کہ وہ ہر نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھتے ہیں۔ ان کی کوئی نماز بغیر سورۂ فاتحہ کے نہیں ہوتی۔ ماحول پر سناٹا طاری تھا پھر جواب دیتے ہوئے فرمایا، ایسا نہیں بلکہ غیر مقلد حضرات بھی بغیر سورۂ فاتحہ کے نماز پڑھنے کے قائل ہیں اور ان کی نماز ہوتی ہے۔ آپ کہیں گے کیسے؟ تو سماعت فرمایئے۔

اگر کوئی شخص رکوع کی حالت میں شریک جماعت ہوا تو اس کی وہ رکعت ہوئی یا نہیں؟ کیا آپ میں ہے کوئی علامۃ الدھر یا مجتہد جو یہ فتویٰ دے کہ مسبوق کی وہ رکعت نہیں ہوئی۔ باوجود اس کے کہ اس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی۔ ان کے پاس اس کا جواب ہے وہی ہمارا جواب ہے۔

حضرت حافظِ ملت علیہ الرحمۃ کے ایک مواخذے نے مخالفین کے سارے دلائل بکھیر کر رکھ دیئے۔

حافظ ملّت علیہ الرحمۃ کا سفرِ حج

حافظ ملت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں، میرے اس سفر حجاز میں سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بندہ نوازی کا کیا اندازہ کیا جائے۔ میں نے جو درخواست کی منظور ہوئی، جو مانگا عطا فرمایا، میں نے بلا فوٹو حاضری طلب کی عطا فرمائی۔ اخیر جہاز مظفری طلب کیا وہی دیا۔ اس میں میری مصلحت یہ تھی کہ ابتدائی سال سے ماہِ شوال اور ذوالقعدہ کا کچھ وقت مل جائے تو دارالعلوم اشرفیہ کا تعلیمی نظام دُرست کردوں، کام جمادوں' تاکہ میرے جانے کے بعد کام بحالہ جاری رہے۔ چنانچہ بحسن وخوبی تعلیم جاری ہوئی اور اُسی نہج پر جاری رہی، واپسی پر بھی وہی مظفری جہاز عطا فرمایا۔

حج کے بعد میں نے مکہ مکرمہ میں اقامت کی نیت نہیں کی بلکہ عرض کیا سرکار جلد مدینہ طیبہ بلائیں تو جلد ہی بلا لیا گیا اور گیارہ روز حاضری کا شرف بخشا، بارہویں دن واپس کردیا۔ ۱۵/ اپریل شام کو جدہ پہنچے اور ۱۶/ اپریل صبح کو بمبئی کیلئے مظفری جہاز پر سوار ہوگئے۔ صرف ایک ماہ حرمین طیبین کی حاضری رہی، ۱۶/ مارچ بذریعہ مظفری جہاز حج سے دو روز قبل جدہ پہنچے اور ۱۶/ اپریل کو اسی مظفری جہاز سے واپس ہوگئے۔

فرماتے ہیں، آمدورفت کا پورا سفر مبارک پور جانا اور واپس مبارک پور آنا آغوشِ رحمت ہی میں رہا، کسی جگہ، کسی مقام پر کوئی تکلیف نہ ہوئی، نہ ریل میں نہ جہاز میں نہ اس کے بعد۔ آمدورفت کا پورا سفر' سفر معلوم ہی نہ ہوا۔ ہر جگہ نہایت ہی راحت وآرام سے رکھا' شاہی مہمان کی حیثیت عطا فرمائی یہ سب سرکار کی بندہ نوازی ہے جس کا شکر ادا نہیں ہوسکتا۔

جب حضرت مدینہ طیبہ حاضر ہوئے تو مسجد نبوی میں باب جبرائیل کے قریب بڑی مشکل سے کچھ گرد پاک ہاتھ آئی تو اسے حضرت نے اپنی آنکھوں میں لگایا اور اس کی توجیہہ یہ بیان فرمائی کہ یہ دن نصیب ہونے سے پہلے میں یہ شعر پڑھتا تھا۔

وہ دن خدا کرے کہ مدینے کو جائیں ہم
خاکِ درِ رسول کا سرمہ لگائیں ہم

لہٰذا مدینہ پہنچ کر میں نے اپنی یہ آرزو تو پوری کرلی اور اس کی تصدیق ہوگئی کہ میرا شعر دعا میں پڑھنا محض شاعری نہ تھا۔

آخری سفر

حضور حافظِ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے، مومن کبھی بوڑھا نہیں ہوتا اور آپ کی مبارک زندگی میں اس کی جھلک نظر آتی ہے کہ آخری دَم تک آپ نے اپنے معمولات جاری رکھے۔ جب آخری ایام میں حضرت کی علالت اور مہلک مرض کی تشخیص سامنے آئی تب بھی آپ کے عزم واستقلال میں کمی نہیں آئی۔ حتیٰ کہ مرض کا اتنا غلبہ اور حضرت اپنے کام کی ادائیگی میں منہمک ہیں۔ آخری دم تک اپنے مشن کی تکمیل میں مصروفِ عمل رہے اور جامعہ کی گود میں جا سوئے۔ آپ کے آخری سفر کی روداد حاجی محمد مبارک پوری کچھ یوں بیان کرتے ہیں۔

مئی ۶ے ۱۹۷ء کی آخری رات تھی۔ پونے بارہ کا وقت گھر پہ کام کی مصروفیت تھی جس میں مَیں بھی مشغول تھا۔ فرصت ملی تو چند ثانیے کیلئے تکیہ سے ٹیک لگا کے لیٹ گیا۔ ابھی آنکھ لگ رہی تھی کہ ایک جھٹکے سے نیند غائب ہوگئی کان میں آواز آئی، حاجی صاحب! حاجی صاحب جلدی چلئے حضرت کی حالت بہت خراب ہے میں نے کہا کیا بات ہے؟ کسی نے کہا کوئی باہر سے بلا رہا ہے فوراً باہر نکلا تیزی سے بڑھا کسی نے کہا جلدی جایئے حضرت کے مکان میں داخل ہوا تو حضرت کی چارپائی کے گرد کئی آدمی کھڑے تھے ہٹاتے بچاتے نزدیک پہنچا تو دیکھا کہ حضرت چارپائی پر لیٹے ہیں۔ سب حاضرین سکتہ کے عالم میں کھڑے ہیں کوئی کچھ بول نہیں رہا ہے۔ میں فوراً حضرت کی نبض پر ہاتھ لے گیا، تو نبض نہیں ملی میرے منہ سے بے ساختہ ایک ہوک نکلی لوگ مجھ سے پوچھ رہے ہیں کیا کیفیت ہے؟ میں نے کہا، انا للہ و انا الیہ راجعون حضرت اس دُنیا سے تشریف لے گئے۔ اتنا سننا تھا کہ لوگ بے قابو ہوگئے ...... اللہ اکبر ...... سب بے خودی کے عالم میں تھے، کسی کو دوسروں کی کیا خبر اپنی سدھ نہ تھی۔

ہماری زندگی میں مبارک پور کی سرزمین پر یہ سب سے عظیم سانحہ تھا۔ جس پر کثرت سے آنسو بہائے گئے اور اظہارِ غم کیا گیا۔

یہ خبر اسی وقت بجلی کی طرح چاروں طرف پھیل گئی۔ اتفاق کی بات ہے اس وقت بھائی عبدالحفیظ صاحب گھوسی کے ڈاکٹر صاحب کے پاس مشورہ کے تحت گئے ہوئے تھے۔ معلوم ہوا کہ رات کو دس بجے اپنے کمرے سے نکل کر پوچھ رہے تھے کہ مولوی عبدالحفیظ کہاں ہیں؟ مولانا نصیرالدین صاحب نے جواب دیا، حضرت ہی نے انہیں شام کو گھوسی بھیجا کل وہاں سے بستی کی طرف جانے کا پروگرام ہے۔ یہ جواب سن کر حضرت نے فرمایا تھا، اس کا مطلب یہ ہے کہ میں ان کا انتظار نہ کروں۔

یہ فرماتے ہوئے کمرہ میں جا کر دروازہ بند کر دیا اور اس کے دو گھنٹہ کے بعد حضرت کی رحلت کا سانحہ ہوا۔ موٹر سائیکل سے ایک شخص فوراً گھوسی گیا' مولانا عبدالحفیظ بھائی کو ساتھ لایا۔ اسی وقت ایک آدمی بنارس پہنچا اور تمام اہم مقامات پر ٹیلی گرام کے ذریعہ اطلاع کر دی گئی۔ دوسرے روز ریڈیو سے بھی اعلان کر دیا گیا، اسی طرح جمشید پور اور مرادآباد وغیرہ تک کے لوگوں کو جنازہ میں شرکت کا موقع مل گیا۔

صبح سے شام تک حضرت کی اقامت گاہ کے پاس ہی جنگلے کے اندر چارپائی پہ جنازہ رکھا رہا اور صبح سے لے کر شام تک لاکھوں سے زائد آدمیوں نے اس عظیم رہنما کی زیارت کی ان میں ہر فرقہ اور مذہب کے لوگ تھے۔ بھیڑ اتنی زیادہ تھی کہ بانس باندھ کر ایک طرف سے آنے اور دوسری طرف سے جانے کیلئے راستہ بنا دیا گیا۔ بعد نماز فجر جس جگہ وصال ہوا تھا اسی جگہ تختہ پر غسل دیا گیا۔ وصیت کے مطابق مولانا ضیاء المصطفیٰ صاحب، مولانا غلام محمد صاحب اور مولانا عبدالحفیظ صاحب نے غسل دیا۔ جناب حاجی سلامت اللہ صاحب پانی دیتے رہے غسل کے بعد مولانا شفیع صاحب جناب بکل صاحب ڈاکٹر عبدالمجید صاحب نے مل کر حضرت کو کفن پہنایا۔ حضرت کا جنازہ بتیس گھنٹہ رکھا رہا اس کے باوجود معلوم ہوتا تھا کہ پورے جسم میں خون رواں ہے نہ کہیں زردی نہ سفیدی۔ اس روز میں نے ایک ولی کی شان کا کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کیا۔ وصال کے بعد ایک خاص قسم کی چمک چہرہ پر ظاہر تھی جسے صرف میری ہی آنکھوں نے نہیں بلکہ ہر دیکھنے والی آنکھ نے واضح طور پر محسوس کیا۔

جنازہ کا جلوس

کفن پہنانے کے بعد جب جنازہ اُٹھایا گیا اسی وقت سے کاندھا ملنا دُشوار ہوگیا۔ باوجودیکہ ہم لوگ بالکل قریب تھے مگر اس سعادت سے محروم رہے اور ہزار کوشش چار پائی تک ہاتھ نہ پہنچا۔ البتہ دھکا لگا کر جنازہ کے نیچے ضرور پہنچ گئے۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ بیکل صاحب اور مولانا شفیع صاحب بھی کاندھا دینے کی خواہش میں ریلے کے اندر پہنچ گئے ہیں۔ باہر اتنا ہجوم کہ تل رکھنے کی جگہ نہ تھی۔ چند منٹ قیام گاہ کے سامنے چبوترہ پر جنازہ رکھا رہا پھر اُٹھا اور دارالعلوم اشرفیہ کی عمارت باغ فردوس میں لے جایا گیا۔ چند منٹ آنگن میں رکھ کر نکالا گیا اور الجامعۃ الاشرفیہ کی طرف روانہ ہوا۔ آبادی سے باہر نکلنے پر محسوس ہوا کہ مبارک پور سے یونیورسٹی تک تقریباً ڈیڑھ کلو میٹر تک انسانوں کا ایک سمندر ہے جو لہریں لے رہا ہے اور انسانی کاندھوں پر کالی چادر میں ملبوس ایک عاشق خدا اور دیوانہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصال محبوب کیلئے چلا جا رہا ہے۔ اللہ! اللہ! ایسا دولہا ہے کہ بلا نوید و پیغام اس کی بارات میں شرکت کیلئے جوق در جوق ہزار ہا ہزار براتی ہندوستان کے دُور دَراز شہروں سے چلے آرہے ہیں۔ انجمنوں کے لاوڈ اسپیکروں سے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی صدائیں بلند ہورہی ہیں۔ پورا ماحول اور مکمل فضا ایک عجیب کیفیت میں ڈوبی ہوئی ہے۔

علماء و مشائخ صوفیاء سجادگان اور طلبہ نیز عامۃ المسلمین بوڑھے' جوان اور بچے دیوانہ وار ٹوٹے پڑ رہے ہیں۔ ایک گھنٹہ بعد جنازہ جامعۃ الاشرفیہ کے دروازہ پر چند منٹ رکھا گیا۔ پھر اُٹھا تو میدان کے مغربی حصہ میں رکھا گیا اور شہزادۂ حافظِ ملت عزیزِ ملت حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب قبلہ نے نماز پڑھائی۔ حضرت کے دونوں بھائی حکیم عبدالغفور صاحب، حافظ عبدالرشید صاحب اور مولانا عبدالحفیظ صاحب نیز مولانا سیّد مجتبیٰ اشرف صاحب کھوچھوی شریف، حضرت مولانا ضیاء المصطفیٰ صاحب و مولانا محمد شفیع نے قبر میں جنازہ اُتارا۔ اس طرح علم و فضل' طہارت و پاکیزگی' اخلاص و کرم' ایثار و ربانی کے اس عظیم پیکر کو دفن کردیا گیا۔

سنتے ہیں زندہ سے بڑھ کر حضرت عبدالعزیز
بڑھ گئی بعد فنا کچھ اور حس سامعہ
احمد برقی نے یہ تاریخ ہجری میں لکھی
جامعہ کی گود میں سویا وہ شیخ جامعہ

۱۳۹۶ھ

پہنچی وہیں پہ خاک

سنتے ہیں کہ ہر شخص دفن وہیں ہوتا ہے جہاں کی مٹی سے اس کا خمیر ہوتا ہے۔ حافظ ملت آج جس باغ کے گہوارے میں لیٹے ہوئے ہیں یقیناً اس کی خاک میں بڑی کیمیا اُتری ہے۔ وہ ایک مشت خاک اُٹھی تو کتنے ہی کردار و عمل کے کارواں رواں دواں نظر آ رہے ہیں خاک اپنے مقام پر پہنچ گئی۔ کتنوں کو علم و عمل، عزم و حوصلہ، جرأت، تقریر ایمان و جان ایمان کا تعلق بخش کر ۔

آخر گل اپنی طرف در میکدہ ہوئی
پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

ایک کرامت آثار تحریر

حافظِ ملت علیہ الرحمۃ جس تخت پر بیٹھا کرتے تھے اس پر کتابوں کا ڈھیر ہمیشہ رہتا تھا۔ آپ کی حیاتِ مبارکہ میں کسی کو ہمت نہ تھی کہ ہاتھ لگاتا۔

بعدِ وصال جب عزیزِ ملت مولانا عبدالحفیظ صاحب نے ان خطوط اور کاغذات کو دیکھا تو ان میں ایک کاغذ پر حضرت کے دستِ مبارک سے لکھے ہوئے موت سے متعلق چند اشعار اور غفر اللہ لک کے اعداد تفصیلی طور پر نکالے ہوئے ملے۔

یہی حضرت کا سن وصال ہے ۱۳۹۶ھ۔

یہ تحریر اس بات کی دلیل ہے کہ حافظِ ملت کو اپنے وصال کے وقت کی خبر قبل وصال ہی ہو چکی تھی لیکن آپ نے اسے صیغۂ راز میں رکھا۔

نقل تحریر مبارک

موت جدید مذاق زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے سے بیداری کا ایک پیغام ہے
زمین دفن ہیں تجھ میں شہید ناز بہت
رہے خیال کہ ان کا نہ ہو کفن میلا

غفر اللہ لک

۱۰۰۰
۸۰
۲۰۰
۶۶
۳۰
۲۰
....
۱۳۹۶

فرامین حافظِ ملّت علیہ الرحمۃ

☆ تضیع اوقات سب سے بڑی محرومی ہے۔

☆ جس سے کام لیا جائے اسے ناخوش نہیں کیا جاتا۔

☆ کام کے آدمی بنو کام ہی آدمی کو معزز بناتا ہے۔

☆ ہوشیار طلبہ وہ ہیں جو اساتذہ سے علم کے ساتھ ساتھ عمل بھی سیکھتے ہیں۔

☆ میری تمنا ہے کہ آخری دم تک خدمتِ اسلام کرتا رہوں۔

☆ بزرگوں کی مجلس سے بلا وجہ اُٹھنا خلافِ ادب ہے۔

☆ جسم کی قوت کیلئے ورزش اور روح کی قوت کیلئے تہجد ضروری ہے۔

☆ انسان کو مصیبت سے گھبرانا نہیں چاہئے۔کامیاب وہ ہے جو مصیبتیں جھیل کر کامیابی حاصل کرے۔ مصیبتوں سے گھبرا کر مقصد کو چھوڑ دینا بزدلی ہے۔

☆ اپنی قدر پہلے خود پہچانو' دنیا میں باعزت بنو گے۔جس نے اپنا وقار خود خراب کرلیا' دنیا کی نظر میں بھی ذلیل وخوار رہا۔

☆ ایک بار ایک جلسہ کے منتظمین نے حضرت کو تقریر کیلئے بلایا۔حضرت گئے تو تقریر کرائی اور رات محلہ مسجد کے فرش پر گزارنی پڑی صبح کو واپسی کے وقت کوئی نہ ملا۔

☆ انسان کو دوسروں کی ذِمہ داریوں کے بجائے اپنے کام کی فکر کرنی چاہئے۔ ﴿الحمدللہ ہم لوگوں نے اپنا کام کردیا﴾

☆ قابلِ قدر وہ نہیں جو عمدہ لباس میں ملبوس ہے اور علم سے بے بہرہ ہے بلکہ لائقِ تعظیم وہ ہے جس کا لباس خستہ اور سینہ علم سے معمور ہو۔

☆ جس کی نظر مقصد پر ہوگی،اس کے عمل میں اخلاص ہوگا اور کامیابی اس کے قدم چومے گی۔

☆ حافظِ ملت علیہ الرحمۃ نے ایک بار فرمایا، میں نے اپنے استاذ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ سے علم بھی پڑھا ہے اور عمل بھی۔

☆ مولانا رُکن الدین صاحب جو حضرت کے چہیتے شاگرد تھے ان کی ایک جگہ تقرری کے بعد قریب بٹھا کر بڑی مُلاطفت سے فرمایا، سیّد صاحب! روئے زمین پر کوئی جگہ ایسی نہیں مل سکتی' جہاں آدمی کے مزاج وطبیعت کے خلاف باتیں نہ ہوں۔ کیا مبارک پور میں میری مرضی کے خلاف باتیں نہیں ہوتیں؟ مگر دین کے خادموں کو ہمیشہ صبر وضبط سے کام لینا چاہئے۔

تو بن خود اپنے سفینے کا ناخدا اے دوست!
خطر پسند ہواؤں کے رُخ بدلتے ہیں

☆ عقلمند انسان وہی ہے کہ جو دوسروں کے تجربات سے فائدہ اُٹھائے' خود تجربہ کرنا عمر ضائع کرنا ہے۔

☆ کامیاب انسانوں کی زندگی اپنانی چاہئے۔ میں نے حضرت صدر الشریعہ کو ان کے معاصرین میں کامیاب پایا' اسلئے خود کو ان کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی۔

☆ میں نے جامعہ اشرفیہ کو خونِ جگر پلایا ہے۔

آپ کی کچھ یادگار باتیں

☆ مولانا ڈاکٹر حسام الدین خان اعظمی کہتے ہیں، ایک روز کی بات ہے کہ ہم لوگ حافظ ملت کی خدمت میں درس لے رہے تھے اس دوران ایک خط ملا جس میں لکھا ہوا تھا کہ حضرت ہمارے مدرسہ میں ایک صدر مدرس کی ضرورت ہے۔ جو عالم ہو' حافظ و قاری اور وجیہہ' خوش آواز' مقرر' مناظر' شادی شدہ بھی ہو۔

فی الحال اُجرت ماہوار ستر روپے دی جائے گی۔ ان اوصاف کے شمار کرنے کے بعد حضرت نے فرمایا بندۂ خدا ایک عہدہ کی قیمت دس روپے بھی تو رکھی ہوتی اور مسکرا پڑے ہم لوگ بھی آداب مجلس کا خیال رکھتے ہوئے بڑے ضبط کے ساتھ ہنستے رہے۔ اس کے بعد میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ حاجی کیلئے نہیں لکھا۔ میں نے عرض کیا۔ حضرت! شاید حج خود کرائینگے اسلئے نہیں لکھا۔ اس پر اور مسکرائے۔

☆ حضرت کی مجلس میں ایک روز ایک صاحب ایک مولوی کی بڑی شکایت کر رہے تھے کہ ایسے ہیں' ویسے ہیں۔ کہا حضرت وہ آپ ہی کے تو شاگرد ہیں۔ حضرت نے فرمایا، جی ہاں! وہ میرے شاگرد ہیں۔ وہ خدا کے بندے بھی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی بھی ہیں۔ یہ جواب سن کر وہ صاحب شرمندہ ہوئے۔

☆ ایک دن کا واقعہ ہے کہ آپ اور آپ کے بھائی حکیم عبدالغفور صاحب کسی جلسے میں شریک ہوئے۔ نماز کا وقت ہوا' اذان ہوئی' اقامت بھی ہونے لگی، جب مؤذن کے حی علی الصلوٰۃ کے ساتھ دونوں حضرات کھڑے ہوگئے تو دیکھا کہ ایک صاحب گھٹنے سے کچھ نیچے تک کا ازار پہنے ہوئے امامت کیلئے مصلے پر جا کھڑے ہوئے۔ حضرت نے فرمایا، جناب پیچھے آیئے۔ انہوں نے آنکھوں کا رنگ بدلتے ہوئے کہا، کیوں صاحب، کیوں پیچھے آؤں۔

حضرت نے فرمایا چونکہ آپ جناب ہیں جناب کو سمجھانے میں دیر ہوگی دیکھئے نماز یہ صاحب پڑھائیں گے چونکہ یہ قاری بھی ہیں' عالم بھی ہیں۔ اسلئے حق ان کو ہے۔ انہوں نے کہا آپ لوگ بے عزت کرتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا آپ کام ہی ایسا کرتے ہیں جنہیں جناب کہا تھا وہ جناب پیچھے آئے اور حکیم صاحب نے امامت فرمائی۔ اس واقعہ کو بیان فرمانے کے بعد فرمایا وہ جناب تھے، جناب کا مطلب تم لوگوں نے سمجھا؟ ایک شاگرد نے عرض کی، وہ شخص گستاخ رسول رہا ہوگا۔ حضرت نے تبسم فرمایا اور کہا، تم سمجھ گئے مگر اجمالاً۔ اس جناب کی تفصیل ہے کہ اس جناب میں 'ج' جاہل کی ہے، 'ن' نالائق کا 'الف' احمق کا اور 'ب' بیوقوف کا ہے۔ تو جو گستاخ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہوگا وہ جاہل بھی ہے، نالائق بھی ہے، احمق بھی ہے، بیوقوف بھی ہے۔

☆ ایک بار هداية النحو کا سبق ہو رہا تھا۔ایک طالب علم نے عبارت پڑھی۔لفظ تھا بِنَـاءٌ اس نے پڑھا بَنَـاءٌ ۔ آپ نے کمال شفقت سے تبسم ریز ہو کر فرمایا، ارے بے وقوف بنا نہیں' تو یہ بگڑ گیا۔

☆ ایک جگہ فرمایا، جلسے میں تشریف لے گئے' جلسہ ختم ہوا' منتظمین نے سونے کیلئے ایک لمبا چوڑا پرانا پلنگ بچھا دیا۔ حضرت لیٹے اور تھوڑی دیر بعد تہجد کیلئے اُٹھے ۔اس سے فارغ ہونے کے بعد پھر سونے کیلئے لیٹے لیکن پھر بھی نیند نہ آسکی۔ صبح کو فجر کے بعد میزبان نے پوچھا، حضرت لگتا ہے آپ سو نہ سکے۔آپ نے فرمایا، جی ہاں! آپ خود فرمایئے میں سنی ہوں مجھے ایسی جگہ کیسے نیند آسکتی ہے جہاں نیچے سے تکیہ اور اوپر سے مچھروں کا حملہ تھا۔

☆ ایکبار حضرت نے کہیں نماز پڑھی۔امام صاحب کو نماز میں بہت زیادہ کھانسی آرہی تھی یا کہا جائے کہ تقریباً کھانستے رہے۔ بعدِنماز حضرت نے فرمایا، امام صاحب کی کھانسی کھانسیوں کی امام ہے۔